شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۲۵ جولائی ۱۹۶۵ء مطابق ۲۵ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

عمارت دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Regd No L 1981
Phone No 22948
TAMEER-E-HAYAT
DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک ماہر فن زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلبا کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ملک عرب میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۰ پ، حصہ دوم ۷۵ پ، حصہ سوم ۱/۲۵

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں سے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلوماتِ عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان بلند پایہ تحریروں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام کرسکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام، و مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں، نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

ESTD. 1903
قدرتی تیل
جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے
کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن، یوپی

Cover Printed at Nadwatul U

پندرہ روزہ ۱۵

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہوگیا اب آپ سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی، پی کی اجازت دیں تاکہ اگلا شمارہ وی، پی سے بھیجا جائے۔

"منیجر"

سالانہ

۷/- روپے ششماہی ۴، روپے

فی پرچہ

۳۰، پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲	۲۵، جولائی ۱۹۶۵ء مطابق ۲۵، ربیع الاول ۱۳۸۵ھ	شمارہ ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دستورِ ہند یا دستورِ حیات؟

سید محمد الحسنی

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

ہندوستانی مسلمانوں نے آزادی کے ان ۱۸ سالوں میں اپنے نازک اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے طرح طرح کے نسخے تجویز کئے اور ہر "عطار" کے مشورہ پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن ان کوششوں کو بڑی حد تک دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یعنی یہ کوششیں اپنے رنگ و روپ اپنے لب و لہجہ اور اپنے طرز و انداز میں جزئی طور پر خواہ کتنی ہی مختلف ہوں بنیادی طور پر دو چیزوں کے سایہ اور رقبہ اثر سے آزاد نہ تھیں بلکہ اکثر اوقات اسی محور کے گرد گھومتی تھیں۔

وہ دو چیزیں یہ ہیں، خوشامد اور دستورِ ہند کی دُہائی،

خوشامدانہ طرزِ فکر یا خوشامدانہ کوششوں کے متعلق اس وقت کچھ کہنا مقصود نہیں، جہاں تک دستورِ ہند کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ دستورِ ہند پر ہمارا بہت بڑا حق ہے اور اس نے بھی ہماری بڑی رعایت کی ہے اور ہمارے لئے اپنے سینہ میں بڑی گنجائش رکھی ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس حق اور استحقاق کا برملا اعلان کریں، لیکن ایک اور چیز ہے جو دستورِ ہند بلکہ دنیا کے ہر ملک کے دستور سے بالاتر ہے اور جس کی مدد کے بغیر دنیا کی کوئی قوم اپنا کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتی اور وہ ہے دستورِ حیات ایک چیز یہ ہے کہ سماج کی اس کشمکش میں کسی طرح زندگی گذاری جائے کہ کسی سے تصادم نہ ہو اور کسی کا حق سلب نہ ہو اور ایک چیز یہ ہے کہ زندہ رہنے کا حق کس طرح حاصل کیا جائے، زندگی کے لئے کس سلیقہ کی ضرورت ہے، اس کے کیا شرائط و آداب ہیں؟

اس ملک میں زندگی کو منظم رکھنے اور تصادم اور انتشار سے بچانے کے لئے "دستورِ ہند" کی ضرورت ہے اور زندگی کا استحقاق اور جواز ثابت کرنے اور زندگی کا ثبوت دینے کے لئے دستورِ حیات کی ضرورت ہے۔

یاد رکھئے دستور کی دفعات اس وقت تک کوئی قیمت نہیں رکھتیں جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ دنیا میں زندہ رہنے کا بنیادی قانون کیا ہے، اگر ہمیں زندہ رہنے کا فن معلوم اگر ہمیں جینے کا سلیقہ آتا ہے تو دستور کے ساتھ اور بلا دستور کے، دستور کے اندر اور دستور کے باہر ہر جگہ ہماری قیمت ہے، دستور زندگی کا تابع ہے زندگی دستور کی تابع نہیں، زندگی ہی اس کی شکل بناتی بگاڑتی ہے وہی اس کو اہمیت دیتی ہے، اور سر پر رکھتی ہے اور وہی اس کو قدموں سے روندتی ہے اور پامال کرتی ہے، وہی اس کو عزت کا تاج پہناتی ہے اور وہی اسکو بوسیدہ اور فرسودہ لباس کی طرح اتار پھینکتی ہے، دستور سے زندگی نہیں بنتی زندگی سے دستور بنتا ہے، وہ ہماری آرزوؤں امنگوں اور حوصلوں کی تکمیل کا راستہ اور ذریعہ نہیں بلکہ اس کا مظہر اس کی تصویر اور اس کا آئینہ ہے،

دستور سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہمیں زندگی کے پل سے گزرنے، اور زندگی کا سارٹیفکیٹ دکھانے کی ضرورت ہے۔

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابو العرفان ندوی، قائم مقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظم شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

قابلِ توجہ

تعمیرِ حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہوسکیں، اس لئے اہل استطاعت حضرات سے پُرزور گزارش ہے کہ حسبِ ذیل مندرجہ عطیات عطا فرماکر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ——— 200 - 00
معاونین سے ——— 100 - 00 / 50 - 00
اعزازی خریداران سے ——— 25 - 00

منیجر "تعمیرِ حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

ایڈیٹر "تعمیرِ حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فرئیر روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

لکھنؤ میں تعمیر حیات کا تازہ شمارہ ملنے کا پتہ
جمیل الدین نیوز پیپر ایجنٹ نکہ اعظم بیگ ۱۸۰ — ۴۰ لکھنؤ

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

● مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کی مستند تاریخ ———
● مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقاء کی کہانی ———
● مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ ———
● ان کے اسباب و محرکات اور ان کا علاج ———
● مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین ———
● اسلام — عصر حاضر میں ان کے کردار و پیغام کی تشریح ———

تالیف — مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

کتابت اعلیٰ — طباعت فوٹو آفسٹ — مجلد — قیمت پانچ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

تاریخِ دعوت و عزیمت (حصہ سوم)

از — مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

◉ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
◉ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح
● سوانح حیات ● صفات و کمالات ● تجدیدی و اصلاحی کارنامے ● تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،
ابتدائی ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!
قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

اور اسی وجہ سے ملتِ اسلامیہ ہند کو ان وکلاء کی بہ نسبت جو قانون کی نکتہ رسی و موشگافی میں اپنی نظیر نہ رکھتے ہوں، ان وکلاء کی زیادہ ضرورت ہے جو اس دستورِ حیات کی تشریح کر سکیں اور اس کے مضمرات و مطالبات پوری قوت کے ساتھ بیان کر سکیں۔

غور کیجئے کہ اس طویل وقفہ میں کیا ایک مرتبہ بھی ہم نے زندگی کے کسی مطالبہ کو پورا کرنے کی کوشش کی، کیا ہم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ زندگی اور عزت کے حصول کے لئے کچھ خراج بھی دینا پڑتا ہے ؟ اس کے کچھ آداب کچھ صفات، کچھ مطالبات ہیں جن کے بغیر ہمیں اس دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کا بھی حق نہیں کسی مرتبہ کی تمنا اور عزت کی آرزو تو بڑی چیز ہے ؟

ہم نے اس طویل مدت میں اس کے علاوہ کیا کیا کہ دست سوال دراز کرتے رہے اور انتظار کی تلخ کامی اور احساس ذلت کی ترشی زیادہ بڑھی تو زبان شکوہ دراز کی، اس صورت سوال کو ہم اپنے حقوق کا مطالبہ اور اس شکوہ سنجی کو ہم احتجاج یا زیادہ غصہ اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہوں تو پروٹسٹ PROTEST کہتے ہیں، ہمارا تو مقام وہ تھا جس کے متعلق اقبال نے یہ کہا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ مقام بلند یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی اور فعالیت، اپنی اہلیت اور صلاحیت، اپنی قوت، اہمیت اور ضرورت کا ثبوت پہلے اپنے وجود اور اپنے عمل سے دیں، اس کے بعد کسی دوسرے سے اس کی توقع رکھیں کہ وہ ہم سے ہماری حیثیت اور شخصیت کے مطابق پیش آئے گا۔

اگر خدا کے قانون قدرت اور سنت الٰہی کی رو سے دیکھا جائے تو اس میں قصور نہ حکومت کا نہ کانگریس کا نہ جن سنگھ کا، اس میں سب سے بڑا قصور صرف مسلمانوں کا ہے، اور اس طرح کے مطالبات اور کوششوں سے (اگر وہ اس حقیقت کے ادراک سے قاصر ہوں) حالات میں ادنیٰ تغیر بھی واقع نہیں ہو سکتا،

ہم نے تیسرے درجہ کے شہری یا اچھوت ہو کر زندگی گزارنے کا سامان اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے پھر دوسروں سے اس کا شکوہ کیا ؟

ہم نے اپنے لئے اس چمن ہند میں جھاڑیوں کے پیچھے اور نشیبی حصوں میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ ایک ایسی دور افتادہ جگہ تلاش کی ہے جہاں اس چمن کی روح پرور ہوا کا بھی گذر نہ ہو اور جہاں ہماری آواز بھی کسی کے پردۂ سماعت سے نہ ٹکرائے،

ہمارے احساس، شعور، عزت اور زندہ دلی کا یہ حال ہے کہ پریس میں ہمارے مسائل کے متعلق اگر زندگی بھر بھی ایک لفظ نہ آئے تو ہماری خودداری کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے، بخیگی علمی معاشیات سے ہم کو یکسر بے دخل اور بے دست و پا کر دیا جائے تو ہمیں کوئی ملال نہ ہوگا، ہماری اعلیٰ تعلیم کے مرکزوں اور ہمارے بیش قیمت ثقافتی سرمایہ پر خط تنسیخ پھیر دیا جائے تو ہمیں کچھ تکلیف نہ ہوگی بشرطیکہ ہماری روٹی، دکان اور ملازمت (جیسی بھی ٹوٹی پھوٹی ہو) سلامت رہے، ہمارے بھائیوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کسی جگہ خطرہ میں پڑ جائے اور ہم ان کی بربادی کے افسانے اخباروں میں پڑھ بھی لیں تو ہمارے اندر کوئی جنبش پیدا نہ ہوگی، اس لئے کہ کم از کم ہم تو اپنی بڑی بھلی جگہ پر فی الحال محفوظ ہیں، مستقبل کے اندیشہ میں بلا وجہ کون دبلا ہو۔

ملک کی ۶۴ یونیورسٹیوں میں ہماری صرف ایک یونیورسٹی ہے اور اس کی تخریب کا سامان ہم اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا بڑے اطمینان سے دیکھ رہے ہیں، اور ہمیں اس کے دوررس اثرات و نتائج کا کچھ احساس نہیں،

ملک کے بیسیوں بلند پایہ اور کثیر الاشاعت انگریزی اخباروں میں ایک اخبار بھی ہمارا ہمنوا نہیں، وہ ہم کو اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ ہمارا کوئی مسئلہ اس کے کسی کالم میں کم از کم وہی دور افتادہ جگہ حاصل کر لے جو ہم نے بدقسمتی سے اپنے لئے منتخب کر لی ہے لیکن نئے سرے اخبار نکالنا تو درکنار ہم یہ بھی نہ کر سکے کہ کسی بکتے ہوئے اخبار کو خرید لیتے اور اس کو اپنی پالیسی کے مطابق چلاتے،

پبلک سیکٹر اور پرائیویٹ سیکٹر میں کتنی اہم اور بڑی صنعتیں ہیں جن میں ہم سرمایہ لگا کر یا ان کو اپنا کر نہ صرف مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو مضبوط کر سکتے ہیں بلکہ اپنے ملک کی اقتصادیات کو آگے بڑھا سکتے ہیں، لیکن ہم نے کسی صنعت کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت کبھی سنجیدگی سے محسوس نہ کی،

ہم دیکھتے ہیں کہ ریڈیو اور نیوز سروس نے فسادات کے سلسلہ میں اکثر واقعات کے خلاف اور یکطرفہ رپورٹ دی بلکہ بعض وقت ان کے بیانات، اعلانات اور خبروں سے منافرت اور کشیدگی میں اضافہ ہوا، ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بعض اہم ترین مسائل میں انھوں نے ہمارا مکمل بائیکاٹ کیا لیکن بار بار کے تجربوں اور نا انصافیوں کے باوجود ہم نے کبھی نیوز ایجنسی قائم کرنے کی کوشش نہ کی،

ہمارے درمیان آپس میں ربط کا کوئی ذریعہ نہیں نہ ایسے اخبارات ہیں نہ کوئی ایسا ادارہ اور اس کی شاخیں ہیں جو ہمارا اعتماد حاصل کرنے کے بعد ہم کو اس طرح مربوط کر دیں جس طرح بجلی کے تاروں کا ایک جال بنا دیا جاتا ہے اور بر وقت اس میں بجلی کی رو دوڑائی جا سکتی ہے

یہ ہے ہمارے زندہ رہنے کا قانون یہ ہے وہ دستورِ حیات جس کا تعلق خدا کے قانون قدرت سے ہے اس دستورِ حیات کا ہم سے سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ اپنی دعوت اپنے نصب العین، اپنے مقصد زندگی، اپنے دین و ایمان اور اپنی ثقافت و تہذیب اور اپنے تمدن و معاشرت، اور اپنی خصوصیات و امتیازات اور اپنے شعائر و آداب اور اپنے صالح و تعمیری جذبات اور داعیانہ صفات اور مجاہدانہ خصوصیات کی حفاظت کے لئے اسی راستہ پر چلو جو راستہ خدا نے انسانوں کے لئے بنایا ہے اور جس راستہ سے عزت و سرفرازی اور ترقی و کامیابی ان کے لئے مقدر کی ہے،

سُنَّةَ اللهِ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَحْوِيلًا،

زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھو، زندگی کے اصول سمجھو، لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنے کے لئے بھی ہنر چاہئے، لیکن حق تو یہ ہے کہ مرنے اور جینے دونوں کے لئے ہنر درکار ہے، اور یہ ہنر اگر نہ آتا ہو تو پھر موت اس طرح آتی ہے جس طرح اڑیسہ اور بہار میں آئی تھی اور عزت اس طرح جاتی ہے جس طرح خدانخواستہ بخارا اور ترکستان میں گئی تھی۔

(بقیہ اسلامی کردار) —— لیکن وائس چانسلر صاحب ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو پشتہا پشت سے اسلامی تہذیب و روایات کا حامل رہا ہے اور وہ خود اسی تہذیب کے پروردہ ہیں ان سے بڑھ کر ان کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہے اس لئے ان سے توقع یہی ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی کی خصوصیات کو قائم رکھنے کی کوشش کریں گے، ان کے سامنے اُن کے پیشرو بدر الدین طیب جی کی مثال موجود ہے، جن کو اسلامی تہذیب و روایات سے اتنا گہرا تعلق نہ تھا جتنا موجودہ وائس چانسلر صاحب کو ہے،

اس لئے ان پر ان سے زیادہ اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

....

مُسلم یُونیورسٹی اولڈ بوائز کنونشن

مُسلمانانِ ہند کی جرأتمندانہ آئینی اور باوقار جدّوجہد کیطرف ایک قدم

مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز کا جو کنونشن ۷، ۸ اگست کو لکھنؤ میں ہونے والا ہے اس کو موجودہ حالات اور ملک کے نئے دباؤں اور تقاضوں نے ایک آئینی جرأتمندانہ اور باوقار جدوجہد کا رمز بنا دیا ہے مسلم یونیورسٹی کے افسوسناک واقعہ نے ہمارے سامنے بہت سے اہم سوالات کھڑے کر دیئے ہیں اور ایک ایسا موڑ دیا ہے جس میں اگر صحیح سمت اختیار کر لی گئی تو اس کا نتیجہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پورے ملک کیلئے بہت خوشگوار اور امید افزا ہوگا۔

علیگڈھ کی مخصوص حیثیت اور کردار اور اسکے بارہ میں چند غرضمندوں کے تیوروں نے اس مسئلہ کو وہ اہمیت اور نزاکت دے دی ہے کہ اس منزل کا ایک غلط قدم یا صحیح اقدام اپنے اندر مستقبل کو سنوارنے اور بگاڑنے کی طاقت رکھتا ہے۔

اس موقع پر ہماری ذرا سی بھی غفلت، باہمی انتشار یا موہوم خوف ہماری قسمت پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور ہم کو منزل مقصود سے بہت عرصہ کیلئے دور کر سکتا ہے —

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

مسلمانانِ ہند عام طور پر اور فرزندان علیگڈھ خاص طور پر ایک ایسے مسئلہ کیلئے راہ عمل سوچنا چاہتے ہیں جس کا تعلق ان کی زندگی سے براہ راست ہے، وہ ان کے کلچر و ثقافت اور ان کے ملی وجود کا مسئلہ ہے جس کی آزادانہ پرورش کیلئے یونیورسٹی قائم ہوئی تھی، اس بیش قیمت متاع کی حفاظت کیلئے یہ وہ کم سے کم قدم اور بالکل ابتدائی کوشش ہے جو وہ اس سلسلہ میں کرنا چاہتے ہیں، یہ ان کا ایسا منصفانہ مطالبہ اور انسانی حق ہے جس کے لئے درحقیقت کسی سفارش اور نہ کسی مقدمہ و سماعت کی ضرورت نہ تھی لیکن مجبوراً ان کو عدالت و انصاف کا دروازہ بھی کھٹکھٹانا پڑا اور اب وہ اس مسئلہ کیلئے مفصل طور پر لائحہ عمل تجویز کرنا چاہتے ہیں۔

اس انسانی حق، آزادی قلب و ضمیر اور جمہوری مطالبہ کیلئے متحد ہو کر اور بلند آہنگی کے ساتھ آواز بلند کیجئے !

الاماں اے جعفرانِ ابنِ الوقتِ زماں

[illegible]

"اسلامی کردار" کا صحیح مفہوم

مولانا معین الدین احمد ندوی

مسلم یونیورسٹی کے خلاف جو آرڈیننس نافذ کیا گیا ہے وہ طاقت کا نا جائز غلط استعمال ہے، اس لئے اس کے خلاف جس قدر بھی احتجاج کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے، لیکن آرڈیننس بہرحال عارضی ہے، یونیورسٹی کے مستقل نظام پر اس کا اثر نہیں پڑتا ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ آئندہ حکومت اس کے دستور میں کیا تبدیلی کرتی ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ مسلم یونیورسٹی ایک خود مختار تعلیمی ادارہ ہے دوسرے اس حیثیت سے وہ اسلامی بھی ہے کہ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ اسلامی تہذیب و روایات کے مطابق مسلمان طلبہ کی تربیت کی جائے جس کو موجودہ بحث میں اسلامی کردار سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو لوگ اسلام کے نام سے گھبراتے ہیں وہ اقلیتی کردار سے تعبیر کرتے ہیں، یہ کردار مسلمانوں کا مسلمہ دستوری حق ہے اس لئے حکومت کو یونیورسٹی میں کوئی ایسی تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں ہے جس سے اس کے کردار اور خود مختاری میں فرق آئے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اسلامی کردار سے مراد کیا ہے اور اس کے حدود کیا ہیں؟ چھاگلہ صاحب کے نزدیک جیسا کہ ان کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے، اس سے مراد اسلامی تہذیب و ثقافت کی تحقیقات ہے، یعنی مسلم یونیورسٹی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی تحقیقات کو اہمیت دی جائے، لیکن یہ اسلامی کردار نہیں بلکہ ریسرچ یا علمی تحقیق ہے، جس کو یورپ کی بہت سی یونیورسٹیاں انجام دے رہی ہیں، اور انھوں نے اسلامیات پر جتنا کام کیا ہے وہاں تک پہونچنے کے لئے مسلم یونیورسٹی کو ایک مدت درکار ہوگی، اگر اسلامی کردار اسی کا نام ہے تو پھر یہ ساری یونیورسٹیاں مسلم ہیں، ان میں اور مسلم یونیورسٹی میں فرق کیا ہوا؟

اصل میں جو لوگ اسلامی کردار کے مفہوم ہی سے نا آشنا ہیں یا ان کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں اور وہ اس کو نام نہاد ترقی پسندی اور قومی وحدت کے الفاظی تصور کے منافی سمجھتے ہیں ان کو اسلامی کردار کی تعیین کا کوئی حق نہیں ہے، ان کو اس کا حق تو ہے کہ وہ یونیورسٹی کے لئے اسلامی کردار کی ضرورت اور اہمیت ہی سے علانیہ انکار کر دیں لیکن انکی اخلاقی جرأت نہیں، اس لئے وہ اس کو فرقہ پروری، رجعت اور علیحدگی پسندگی کی آڑ لے کر بیخ کرتے ہیں، اس کی تعبیر و تعیین کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو اسلامی کردار کو مسلمانوں کا سرچشمہ حیات اور تعمیر ملت کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

اس کے لئے تنہا اسلام کے بعض ظاہری مظاہر مثلاً دینیات کی رسمی تعلیم، ہوسٹلوں میں نماز کا انتظام رمضان میں ڈائننگ ہال کی نمائش بندش، اسلامی تقریبات کا انعقاد، میلاد کے جلسے اور اسی قبیل کی دوسری ظاہری چیزیں کافی نہیں ہیں، بلکہ اس سے وہ اسلامی روح مراد ہے، جس سے مسلمان طلبہ میں دینی احساس اسلامی، شعائر کا احترام، ان کی عظمت، اور ملی غیرت و حمیت کا جذبہ بیدار رہے، یونیورسٹی کے احاطہ کے اندر اس کے کسی متوسل کو اسلامی عقائد و تصورات کی علانیہ مخالفت کی اجازت نہ دیجائے، اسلامی علوم و فنون کی تحقیقات اور دینی تعلیم کو خاص اہمیت دیجائے، یونیورسٹی کے تمام شعبوں میں خواہ تعلیمی ہوں یا انتظامی، مسلمانوں کی نمایاں اکثریت اور ان کا اقتدار ہو، انتظامی مجالس کے ارکان کی اکثریت کا انتخاب جمہوری طریقہ پر کیا جائے، حکومت کے نامزد کردہ ارکان کی تعداد کم سے کم رکھی جائے غیر مسلم ارکان ایسے منتخب اور نامزد کئے جائیں جو مسلمانوں کی تہذیب و روایات سے واقف اور یونیورسٹی کے ہمدرد و بہی خواہ ہوں، ایسے غیر مسلموں کی آج بھی کمی نہیں ہے، اس کے بغیر یونیورسٹی کا کردار قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ چیز نہ رجعت پسندی ہے اور نہ فرقہ پروری اور قومی وحدت اور سیکلرزم کے خلاف ہے، بلکہ اقلیتوں کا ایک تسلیم شدہ دستوری حق ہے، جسکو نہ حکومت سلب کر سکتی ہے اور نہ کسی ترقی پسند کو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے، خود ہندوستان میں ہندو یونیورسٹی ہندو کردار کا اور عیسائی مشنریوں کے کالج عیسائی کردار کا نمونہ موجود ہیں اور حقیقت اُن کو ان کے کردار کے ساتھ قائم رکھنا ہی سیکلرزم اور جمہوریت ہے، مسلم یونیورسٹی اس معنی میں یقیناً سیکلر اور قومی ہے کہ اس کے دروازے بلا تفریق مذہب و ملت سب فرقوں کے کھلے ہوئے ہیں اور وہ اختلاف مذہب کی بنا پر کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک، اور آج سے نہیں بلکہ علی گڑھ کالج کے قیام کے زمانے سے لے کر اب تک ہر زمانہ میں یہاں غیر مسلم طلبہ کی خاصی تعداد رہی ہے جن میں بعض نامور لوگ بھی ہیں، لیکن اس معنی میں یقیناً مسلم ہے کہ اس کی فضا اور اس کا کردار اسلامی اور اس میں مسلمانوں کی اکثریت اور اس کا اقتدار ہونا ضروری ہے یہی حقوق ہندو یونیورسٹی کو بھی حاصل ہیں!

اسلامی کردار کے نام سے بھڑکنے کی ضرورت نہیں، یہ چیز قومی وحدت و یکجہتی کے قطعاً منافی نہیں، علیحدگی پسندگی مسلمانوں کے قومی مزاج کے خلاف ہے، انھوں نے کبھی کسی قوم اور کسی تہذیب سے چھوت نہیں کی، جہاں گئے ملکی باشندوں میں گھل مل گئے، اور اُن کی اور اپنی تہذیب کو ملا کر تہذیبی یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کی، خود ہندوستان کی احیائی ذہنیت سے پہلے یہ زبان اور یہ تہذیب ہندو مسلمانوں کے بڑے طبقہ کی مشترک تہذیب و زبان سمجھی جاتی تھی، مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہندوستان کو جو ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے، متحدہ ملک بنایا، قومی وحدت کا تصور پیدا کیا، ان سے پہلے ہندوستان مختلف طبقوں اور فرقوں میں بٹا ہوا تھا اور ان میں باہم اتنا ہی بغض و عناد تھا جتنا دشمنوں میں ہو سکتا ہے، اس لئے ہندوستان کی وحدت اور قومی یکجہتی کے پہلے معمار مسلمان ہی ہیں، اور علیحدگی پسندی کے وہ لوگ مجرم ہیں جو وحدت کے ان آثار کو مٹانے کے درپے ہیں۔

آزاد مشرب ترقی پسندوں بلکہ تخریب پسندوں کا ایک طبقہ عرصہ سے مسلم یونیورسٹی کے روایات اور خصوصیات کو مٹانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ (بقیہ صفحہ [illegible])

سید الملت کی عرفانی زندگی

عتیق الرحمٰن آروی

علوم ظاہری کوئی کتنا ہی حاصل کرلے، اور کامل النفس بن جائے، اگر اس کے دل میں خلوص، تلاش حق کا جذبہ، مقصد حیات کے حصول کی تڑپ ہوگی تو وہ صرف ان ظاہری علوم پر اکتفا نہیں کر سکتا، جوں جوں اس کے علم میں پختگی آتی جائے گی اس کی نظر وسیع اور مقصد زندگی بلند ہوتا جائے گا، وہ علوم کی جس منزل پر پہونچے گا برابر اس کے کانوں میں یہی صدا آتی رہے گی۔ ؎

مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں!

کیونکہ ظاہری علوم فکر و نظر میں وسعت بخش سکتے ہیں، دنیاوی معلومات کا انبار لگا سکتے ہیں مگر خود انسان کیا ہے؟ حقائق اشیاء کا علم روحانی تسکین اور یقین کی دولت کس طرح نصیب ہو اس کی تکمیل عمل کرنے اور صرف ریاضت مجاہدہ سے ہو سکتی ہے اس لئے ہر کامل النفس انسان علوم ظاہری کے نقطۂ کمال پر پہونچکر مضطرب و پریشان ہو جاتا ہے اور اپنی روحانی تشنگی بجھانے، خالق کائنات کے پانے، قلبی اضطراب کو دور کرنے کے لئے ظاہر بیں عالموں کو چھوڑ کر اہل باطن کی شاگردی اختیار کرتا ہے، علوم ظاہری کی جگہ علوم معرفت کی تحصیل میں مشغول ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہیں تخم معرفت کی آبیاری اور علم مضطرب قلب کا علاج ہوتا ہے۔ ؎

می نروید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل

عارف رومی ظاہری علوم میں یکتائے روزگار تھے ان کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال کی ایک شان رکھتی تھی، دور نزدیک ہر جگہ اُن کی شہرت و قابلیت کا چرچا تھا، اور ہر دل میں ان کی علمیت کا سکہ جما ہوا تھا، قونیہ شام، حلب، دمشق وغیرہ میں کوئی عالم انکے پایہ کا نہ تھا، بڑے بڑے علماء زعماء ملت ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے، بایں ہمہ حقیقی علم اور مقصد حیات سے نا آشنا تھے، یہ علوم کہاں تک ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں؟ آخرت میں کس علم کی ضرورت پڑے گی؟ خدا کس چیز کا سوال کرے گا۔ عملاً ان تمام امور سے بے خبر تھے، شمس تبریزؒ کا ایک بار وہاں سے گذر ہوا، دیکھا درس دینے میں مشغول ہیں پوچھا — ریاضت علوم کی غرض کیا ہے تو بالکل چپ رہے اور جواب دیا بھی تو وہ یہ کہ آداب و شریعت کا جاننا شمسؒ نے کہا نہیں غرض یہ ہے معلوم تک رسائی حاصل ہو جائے، اور حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

علم کز تو ترا نہ بستاند ؎
جہل ازاں علم بہ بود بسیار

عارف رومی میں عشق کی چنگاری قبل ہی سے ... موجود تھی، اس شعر اور شیخ کے معنوی اثر نے اور ... ہی بھڑکا دیا۔ اب کیا کہنا تھا، بے چین و مضطرب ہو گئے جس علوم کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے تھے، وہ تمام نظروں سے گر گئے اور دنیاوی لذتوں، دوست و احباب کے طبقوں سے دامن چھوڑ کر عزلت نشینی اختیار کرلی، درس و تدریس، پند و وعظ کو یک قلم ترک کر دیا، اور حقیقی زندگی سے لطف اندوز ہونے لگے۔

خود فرماتے ہیں۔ ؎

عطار در از دفتر پارہ بودم
زدشت او زمانے می نشستم
چو دیدم لوح پیشانی ساقی!
شدم مست و قلم ہا اشکستم

شمس تبریز کی ملاقات نے ان کی زندگی کے دھارے کو جس رُخ کی طرف موڑا اور اس کے سبب معرفت حق کی جو دولت نصیب ہوئی اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

شمس تبریزی با ماہ حقیقت بنمود
از فیض قدم دوست کہ ایمان داریم

امام غزالیؒ پر بھی ایک نظر ڈالئے، ان کا علمی تفوق و برتری، ان کی دانائی و زیرکی، ان کی ہوشمندی و عقلمندی سے کون واقف نہیں، وہ ایک زبردست متکلم فقہ و حدیث کے ماہر، فلسفہ و منطق کے امام تھے، پورا بغداد ان کی علمی شہرت و بزرگی سے گونج رہا تھا، انھوں نے اپنی عالی دماغی، علمی فضیلت اور طاقت و شخصیت کے باعث ایسا رسوخ حاصل کیا کہ ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے، بلکہ اُن کے جاہ و جلال کے سامنے امراء، وزراء اور خود بارگاہ سلطنت کی شان و شوکت بھی ماند پڑ گئی، مگر کیا یہ انہماک علم یا استغراق و یکسوئی انھیں سکون قلب اور دلی راحت بخش سکی کیا اس پر وہ قناعت کر کے حقیقی زندگی کا لطف پا سکے؟ وہ وقت کتنا اہم اور ان کے نفس کی آزمائش کا تھا کہ جب تمام دنیاوی لذتوں درس و تدریس کے اعلیٰ عہدوں سے تقریر و تحریر کے منصبوں کو چھوڑ کر راہ سلوک طے کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے بڑے بڑے امراء اور علماء نے روکنے کی کوشش کی، ہر قسم کی تدبیریں اختیار کیں مگر ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اور ان تمام عہدوں سے صرف نظر کر کے راہ حق کی تلاش میں عازم سفر ہو گئے، کیوں؟ — صرف اس لئے کہ سکون قلب وہاں نصیب نہ تھا، روح کی تسکین کا کوئی سامان نہ تھا — دنیاوی عیش و آرام کے یہ تمام چیزیں موجود تھیں مگر خود انسان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی معرفت کا کوئی اسکول یا کوئی اصول نہ تھا، بالآخر علم معرفت کے استاد کی شاگردی اختیار کی اور بادیہ پیمائی کرنے لگے جب کہیں جا کر سکون قلب حاصل ہوا، اور سخت مجاہدات و ریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی حاصل ہوئی، علامہ شبلیؒ نے ان کی اس زندگی کی نہایت اعتقاد کے ساتھ اس طرح تصویر کھینچی ہے — لکھتے ہیں:

بغداد میں ان کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا تمام مذاہب کو جانچا، کسی سے تسلی نہیں ہوئی، آخر تصوف کی طرف رُخ کیا لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی بلکہ سراپا حال کا کام تھا اور اس کا پہلا زینہ اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس تھا، امام کے مشاغل اس کیفیت کے بالکل سد راہ تھے۔ قبول عام ناموری جاہ و منزلت مناظرات و مجادلات اور بجز تزکیۂ نفس، (مسلسلات بعد میں صفحہ [illegible])

ع ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

آخر سب چھوڑ چھاڑ کر ایک کملی پہن کر بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی، سخت مجاہدات و ریاضیات کے بعد بزم راز تک رسائی ہوئی۔ (الغزالی صفحہ ۹۲)

الغرض پوری تاریخ انسانی پڑھ جائیے، انہیں صاف نظر آئے گا کہ جن بزرگوں کو روحانی سکون، دلی اطمینان اور حق تک رسائی حاصل ہوئی وہ تمام تر ریاضت و مجاہدہ اور عمل کا نتیجہ ہے، اور اس کے برخلاف جن لوگوں نے اپنا کل علم اور دنیاوی تفشیات میں اپنے کو ہمہ تن مشغول رکھا اور اس کو مقصد حیات قرار دیا وہ ہمیشہ سرگشتہ و پریشان رہے اور کبھی حقیقی زندگی سے لذت آشنا نہ ہو سکے اور نہ دنیا ہی نے انہیں کوئی خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا۔

آج ہم جس کی عرفانی زندگی کے واقعات بیان کرنے چلے ہیں اس کی پوری زندگی امام غزالی، عارف رومی وغیرہ کے نہج پر گذری ہے، جس طرح امام غزالی فلسفہ و منطق کے امام، حدیث و تفسیر کے ماہر، فقہ و علم کلام میں بے مثل تھے اور اپنے زور قلم سے پورے بغداد میں علمی قابلیت کا غلغلہ ڈال دیا تھا، ٹھیک اسی طرح ہمارے ہیرو یعنی علامہ سید سلیمان ندوی کا بھی حال ہے، وہ ایک ہمہ گیر شخصیت تھے، وہ نہ صرف علم تاریخ و ادب کے ماہر بلکہ قرآن، علم کلام، فقہ، حدیث پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، اور ہر فن کے حسن و قبح پر بے لاگ تنقید و تبصرہ فرماتے تھے، ان کا گوہر بار اور سبک خرام قلم نصف صدی تک علم و ادب کے ہر موضوع پر موتیاں بکھیرتا رہا، اور مردہ قلوب میں زندگی کا روح پھونکتا رہا، جس کے ثبوت میں سیرۃ النبیؐ کی ضخیم مجلدات، ارض القرآن، عربوں کی جہاز رانی، خیام وغیرہ جیسی محققانہ کتابیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ با ایں ہمہ ان پر ایک وہ دور بھی آیا جس میں ان کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا، دنیاوی جاہ و جلال، علمی شہرت، ذاتی نام و نمود کا خیال دل سے جاتا رہا، مکروہات دنیا سے نفرت ہونے لگی۔ مطالعہ و کتب بینی سے دلچسپی ختم ہو گئی ذکر اللہ تسبیح و تہلیل میں اوقات گذارنے لگے، جلوت کی جگہ خلوت کے عادی ہو گئے اور عشق مجازی کے بجائے عشق حقیقی کی بھٹی میں جلنے لگے، پہلے واہ واہ کی داد سے خوش ہوتے تھے اب آہ آہ سے زندگی کا حقیقی لطف اٹھانے لگے، یہاں تک کہ تھوڑے ہی مدت میں ایک عارف باللہ، مرشد تھانوی کے سچے جانشین، اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ بن گئے، ان کی سعادت مندی

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ خود مرشد تھانویؒ نے ان کی پاک دامنی، صفائی قلب، خوش اخلاقی کی شہادت دی اور ان کی تعریف کی ؎

از سلیمان گیر اخلاص عمل!

دان تو ندوی را منزہ از دغل

اس سے قبل کہ ان کے باضابطہ سلوک و تصوف کی زندگی کے واقعات اور عرفانی حالات بیان کئے جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طفولیت اور عہد شباب کے واقعات پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ اندازہ ہو کہ: جس طرح وہ فطرتاً مطالعہ کے شائق اور تصنیف و تالیف کا ذوق رکھنے والے تھے اسی طرح اخلاق حسنہ اور پاکیزہ خیالات کی دولت سے بھی نوازے گئے تھے، آغاز عہد میں گرچہ رسمی طور پر کامل صوفی اور تارک دنیا نہ تھے، تاہم ان کے بچپن کے حالات کچھ اس طرح کے ملتے ہیں جن کو دیکھ کر یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہی واقعات ان کی عرفانی زندگی کے لئے محرک بنے، اور حق تک پہونچانے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔

حضرت علامہ کی گھریلو زندگی میں جس نے سب بڑھ کر تعلیم و تربیت پر نظر کی، اور ان کی نشست و برخاست، اٹھنے پھرنے، کھانے پینے اور ہر شعبہ زندگی میں آداب سکھلائے، اور طریق سنت پر چلنے کی تلقین کرتے رہے وہ حضرت علامہ ہی کے برادر بزرگ مولانا سید ابو حبیب (ف ۱۳۴۶ھ) ہیں وہ خود ایک جید عالم، مشہور طبیب اور قطب وقت تھے، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت بیعت رکھتے تھے، ریاضت و مجاہدہ اتنا کرتے تھے کہ آج اس کا وہم و تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے گویا عاشق تھے، انکی کوئی ایسی تصنیف — نہ تھی جس کو وہ نہ پڑھ چکے ہوں، مکتوبات مجدد الف ثانی جیسی اہم اور ضخیم کتاب کو بالکل زبانی یاد کر لیا تھا۔ حضرت علامہ خود کہا کرتے تھے کہ — ہمارے بھائی حافظ مکتوبات مشہور تھے۔

ایسے جید عالم اور قطب وقت نے اپنے چھوٹے بھائی کی تعلیم و تربیت کا بیڑا اٹھایا، بحیثیت استاذ حضرت علامہ کو میزان و منشعب پڑھاتے اور بحیثیت پیر طریقت اپنے حلقہ توجہ میں بٹھاتے اور اصلاح و تربیت کا پورا پورا خیال رکھتے، اسی اصلاحی توجہ و تنظر سے حضرت سید صاحب کو کتنا فائدہ پہونچا، اور

قلب سلیمانی پر کیا کیفیت پیدا ہوئی اس کے متعلق خود حضرت علامہ کا ارشاد سنئے۔

"میں اپنے بھائی صاحب کے فیض صحبت سے اپنے قلب میں پاکی محسوس کرتا تھا۔"

اگر تصوف طہارت قلب کا نام ہے تو بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ بچپن ہی سے تخم معرفت کی کاشت ہو چکی تھی اور تصوف کے منازل یکے بعد دیگرے طے ہو رہے تھے، سنہ ۱۹۰۱ء میں ندوہ آنے کے بعد گرچہ ان کی زندگی خالص علمی ہو چکی تھی، علامہ شبلیؒ کی صحبت نے اس پر اور جلا بخشا، اور تاریخ، ادب، قرآن، علم کلام ہر فن میں مہارت تامہ پیدا کی، امام غزالی کی یہ کتاب بھی پڑھی، ابن رشد کے فلسفیانہ کلام اشاعرہ و معتزلہ کے نزاعات، امام رازی کے فکر انگیز مضامین یکے بعد دیگرے حضرت سید صاحب کی نظروں سے گزرے اس ادھیڑ بن میں شباب اور عالم پیری کا کچھ حصہ گذر گیا مگر اس کے باوجود جو معرفت کی بیج برادر بزرگ نے ان کے صاف و شفاف دل میں ڈال دی تھی اس کا اثر کبھی زائل نہ ہوا، اثنائے مطالعہ و تعلیم میں بہیوں آندھیاں آئیں خیالات کے طوفان اٹھے مگر جو باتیں دل میں جگہ پکڑ چکی تھیں ان پر یہ تمام حوادثات کچھ بھی اثر انداز نہ ہو سکے،

اور پھر طبیعت سید صاحب کی کچھ ایسی تھی کہ متانت سنجیدگی، کم سخنی ہر وقت اور ہر حال میں غالب رہتی، ساتھی چھیڑ چھاڑ کرتے تو مسکرا کر رہ جاتے، کوئی سخت بات کہتا تو بھی خفگی کا اظہار نہ ہوتا، کسی سے کوئی ناگوار واقعات سرزد ہو جاتے تو اس کی غمازی چشم و ابرو ضرور کرتے مگر زبان پر پورا پورا قابو رہتا، اور ایک حرف بھی کسی کے جواب دینے، اذیت پہونچانے، نامناسب بات کہنے کے لئے نہ نکلتا، دیکھئے — حضرت علامہ کے ہم درس مولوی حنیف صاحب فرماتے ہیں کہ: ایام طفلی ہی سے فطرۃً سید صاحب کچھ خاموش رہنے کے عادی تھے، بچوں کی عام شرارتوں سے ان کی طبیعت کو جبلۃً کسی قسم کی مناسبت نہیں تھی، اس لئے شرارت وغیرہ کے قصوں میں سید الملت تنبیہ کے بہت کم محتاج تھے۔ [1]

اسی طرح حضرت والد کے برادر زادہ مولانا ابو ظفر ندوی لکھتے ہیں — علامہ موصوف بچپن سے کم سخن اور خاموش کے انسان تھے، جس سے ان کے استاذ ان کو غبی اور کند ذہن سمجھتے تھے اور ان کے

[1] سلیمان نمبر "ریاض"

تیز زبان ساتھیوں کو ذہین اور صاحب ذوق سمجھ کر ان کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے۔ [1]

یہ سکوت یہ کم سخنی یہ مادہ صبر و ضبط سیرت سلیمانی کا امتیازی اور خاص وصف ہے جو ہر دور میں نمایاں اور ہر حال میں غالب رہا۔

حضرت سید صاحب کا ایک دوسرا وصف حسن اخلاق تھا، غیرت و مروت، حیا و تواضع، فراخ دلی، بلند نگاہی ان میں بالطبع موجود تھیں، تنگ نظری، جاہ و عزت کی حرص اور تعصب وغیرہ کبھی بھی ان کی زندگی میں نظر نہ آئے، یہی وجہ تھی کہ ان کو فضائل اخلاق کے وصول میں انہیں کوئی زیادہ ریاضت و مجاہدہ کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی اخلاق حسنہ کو دیکھ کر چالیس سالہ رفیق مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے فرمایا۔

"ہمارے سید صاحب تو مولانا تھانوی سے بھی رجوع نہ کرتے تب بھی وہ نیک ہی تھے، اس لئے کہ رذائل اخلاق بالطبع ان میں موجود ہی نہ تھے،

(تذکرہ سلیمانی صفحہ ۹۷)

اس سے صاف اور واضح انداز میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے۔

"خدا ترسی، نرم مزاجی، پہلے ہی سے تھی، اور مروت کے تو گویا پتلے ہی تھے، پھر تصوف کے اثر نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا —"

(صدق جدید ۶ دسمبر ۱۹۵۳ء)

ایک اور دوسرے دیرینہ رفیق مولانا عبد الباری صاحب ندوی جو طالب علمانہ دور سے لیکر اخیر زندگی تک سیرت سلیمانی کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں، تحریر فرماتے ہیں۔

"سید صاحب لطنی سید ہی نہیں ماشاء اللہ بڑے لطنی سید تھے، مرحوم معصوم نہ تھے لیکن ان کی زندگی کا جو رخ طالب علمی سے لیکر آخر تک کم و بیش ہر نوع کے سابقہ میں سب سے زیادہ معصوم نظر آیا وہ یہی کہ خود رائی و خود پسندی دور دور نظر نہیں آتی۔ (سلیمان نمبر!)

سب سے بڑھ کر خود حضرت تھانوی رحؒ ان کی، صفائی قلب، اخلاق حسنہ، خدا ترسی، نرم مزاجی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں — کہ جو لکڑی سوکھی ہوتی ہے دیا سلائی دکھاتے ہی بھڑک اٹھتی ہے اور جو گیلی ہوتی ہے اس کو عمر بھی پھونکتے رہئے تو سوائے دھوئیں کے کچھ نہیں اٹھتا، ان میں (یعنی مولانا سید سلیمان ندوی) کس بات کی کمی تھی،

(تذکرہ سلیمان صفحہ ۱۲۹)

یہی تمام فطری اوصاف اور فضائل تھے جن کی بنا پر حضرت سید صاحب کو منازل تصوف طے کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ دامن شرفی سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ وہاں تک پہونچنا، بیعت کرنی اور سب سے بڑھ کر خلافت حاصل کرنی کتنا اہم اور دشوار کام ہے، کتنے ان کی پابندی اوقات سے گھبرا کر محروم چلے جاتے ہیں، کتنے سلوک کی سختیوں سے گھبرا اٹھتے ہیں، کتنوں نے اس راہ میں قدم رکھنے کی کبھی جرأت ہی نہ کی، مگر سید صاحب تھوڑے ہی عرصہ میں تمام مراحل طے کر لئے اور حضرت تھانوی کے صاحب الیمین میں یعنی مقربین میں ہو گئے جس پر دوسروں کو بھی رشک آنے لگا اور رشک عشق کر کے رہ گئے کہ ایک ہی جست میں سید صاحب کس طرح اتنے بلند مرتبہ پر پہونچ گئے۔

(باقی آئندہ)

[1] تذکرہ سلیمانی صفحہ ۹۷

نئے نئے

رئیس شاکری بارہ بنکوی متعلم دارالعلوم

ظلم و ستم کے ہائے یہ عنواں نئے نئے
یعنی تباہیوں کے ہیں ساماں نئے نئے
پیدا ہوئے ہیں امن کے خواہاں نئے نئے
دھارے ہوئے ہیں روپ انساں نئے نئے
کلیاں نئی نئی ہیں، گلستاں نئے نئے
ہوتے ہیں روز چاک گریباں نئے نئے
ہر تارِ جن کا فصل بہاراں کی نذر ہو!
لاؤں کہاں سے روز وہ داماں نئے نئے
سوز جنوں کی دوست! نوازش یہ کم نہیں
پیش نظر ہیں روز بیاباں نئے نئے
بیزار باغباں ہے، تو گل بھی کشاں کشاں
انداز ہائے خارِ مغیلاں نئے نئے،
شکوہ جفائے غیر کا کیونکر کرے کوئی؟
اپنوں کے ہو رہے ہوں جو احساں نئے نئے

"یہ امتحاں ہے" یا یہ "گناہوں کی ہے سزا"
اٹھتے ہیں اے رئیس جو طوفاں نئے نئے

امریکہ کے نیگرو اسلام کے نام پر الیجا محمد کے گمراہ کن مذہب کا شکار ہوئے ہیں۔

اس نئے اور باطل مذہب کو صحیح اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، اس کے بانی کی داغدار زندگی ایک شریف انسان کے لئے بھی باعث شرم ہے

شہید مالکم ایکس سے ایک گفتگو، امریکا کے کالے مسلمانوں کو صحیح اسلام کی ضرورت ہے

ترجمہ :۔ سید ضیاء الحسن ندوی

صحیح اسلامی عقیدہ رکھنے والے سیاہ امریکی مسلمانوں کے رہنما مالکم ایکس نے ایکبار جنیوا کے اسلامی مرکز کا دورہ کیا اسوقت انھیں اس مرکز کی سرگرمیوں کا قریب سے مطالعہ کرنیکا موقع ملا۔ مرکز کو اس بات پر فخر ہے کہ اسے انتے روز تک اس عظیم امریکی رہنما کی میزبانی کی سعادت حاصل ہوئی، مالکم ایکس کی وطن واپسی کے بعد اسلامی مرکز کے جنرل سکریٹری نے امریکا کی موجودہ اسلامی تحریک اور اس کے مستقبل سے متعلق چند سوالات لکھکر ان کی خدمت میں ارسال کئے، یہ سوالات مالکم ایکس کو ان کی شہادت سے چند روز قبل موصول ہوئے، ان کی بیوہ محترمہ بہیہ (بتی) نے بتایا کہ ان سوالات کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا وہی ان کے مرحوم شوہر کی چھوڑی ہوئی آخری تحریر بھی ہے، خصوصاً آخری دو سوالوں کے جواب تو شہید مالکم نے اپنے قتل سے صرف چند گھنٹے پہلے لکھے تھے۔

سوال ۱ :۔ سیاہ امریکی مسلمانوں کی تحریک ان اہم ترین تحریکوں میں سمجھی جاتی ہے جن کے متعلق لوگ برابر رائے زنی کرتے رہتے ہیں کیا آپ کسی ایسے بنیادی نکتہ فکر سے ہمیں آگاہ کر سکتے ہیں جس سے تحریک کے موجودہ ڈھانچے اس کے فلسفے اس کی حقیقی قوت اور اس کی تاریخ پر پوری طرح روشنی پڑ سکے، چونکہ آپ عرصہ تک اس تحریک کے اولین نگراں اور سرکاری ترجمان رہ چکے ہیں اس لئے مذکورہ سوال کا جواب دینے کیلئے آپ سے زیادہ موزوں کوئی دوسری شخصیت نہیں ہو سکتی۔

جواب ۲ :۔ ۱۹۳۰ء میں امریکہ کے شہر DETROIT ڈیٹرائٹ میں ایک شخص فارد محمد FARD MOHAMMAD نے کالے مسلمانوں کی تحریک کی بنیاد ڈالی، ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور امریکہ صرف اس لئے آئے ہیں کہ امریکی حبشیوں کو اسلام کے "اسرار عالیہ" کی تعلیم دے سکیں ان کا کہنا تھا کہ عہد قدیم میں اکثر "امت گم شدہ" کے الفاظ سے ان ہی کالے امریکیوں کو یاد کیا جاتا تھا، چنانچہ یہ لوگ اب بھی خود کو الیسی "گمشدہ اسلامی امت" کہنا پسند کرتے ہیں، جس کا سراغ مل گیا ہو۔ الیجا محمد ELIJAH MOHD. اس امت سے تعلق رکھنے والے پہلے فرد ہیں جنھوں نے اس نئے عقیدہ کو دل سے اپنایا، ہمیں الیجا محمد نے سکھایا کہ ہم انھیں "موعود اول" یا نعوذ باللہ "ابن یزداں" کے لقب سے یاد کریں۔ الیجا محمد نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ (العیاذ باللہ) فارد مظہر خداوندی کی ایک مجسم شکل تھے اور یہ "معبود مجسم" (فارد) مکہ میں صرف اس مقصد سے پیدا ہوا کہ امریکا ہجرت کرے اور امریکی زنگیوں کو اسلام کی حکمت عالی کا محرم راز بنائے کیونکہ اسلام کی ان پوشیدہ ترین حکمتوں سے دنیا کے سارے انسان یہاں تک کہ مکہ کے بڑے بڑے علماء بھی ناآشنائے محض ہیں اور ان اسلامی حکمتوں کے بارے میں اتنی سخت رازداری کی مصلحت یہی بتائی جاتی کہ "آخر زمانے میں" معبود مجسم، بنفس نفیس ان حقائق کو امریکی زنگیوں کے سامنے آشکارہ کریں الیجا محمد کہتے ہیں کہ ایک خالص اور برتر حقیقت جو اب تک رازدروں بنی رہی یہ ہے کہ سفید فام نسل ایک شیطانی نسل ہے جسے ایک پاگل کالے (عالم) سائنسداں نے اب سے چھ ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا، اور یہ نسل دنیا پر مزید چھ ہزار سال تک حکمرانی کرے گی، اس کے بعد سیاہ نسل اسے تباہ کر ڈالے گی، اسی طرح الیجا کا کہنا ہے کہ سفید فام لوگ اپنی فطرت کے اعتبار سے شیطان ہوتے ہیں ان کے برخلاف سیاہ فام باعتبار اپنی فطرت کے الٰہی خصوصیات رکھتے ہیں اور قیامت کے دن یہ لوگ سفید نسل کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینگے، اسوقت سارا عالم جنت نظیر بن جائیگا، جس پر تا ابد سیاہ فام از نگی نسل حکومت کرتی رہے گی۔

الیجا کا دعویٰ ہے کہ مکہ درحقیقت زمین پر بہشت کی ایک علامت ہے، اور سفید فام فطرتاً شیطان ہیں اس لئے اسلام کو قبول کرنا ان کے لئے ناممکن ہے، چنانچہ دنیا میں کوئی سفید فام مسلمان دیکھنے میں نہیں آتا نیز یہ کہ مکہ (میں داخلہ) تمام کافروں پر حرام ہے اور چونکہ کسی سفید فام کے لئے مسلمان ہونا ممکن نہیں ہے، لہٰذا سفید فام لوگ جنت میں داخل بھی نہیں ہو سکتے، اسی بنا پر وہ لوگ اس جنت میں بھی داخل نہیں ہونگے جبکہ سنگ بنیاد سیاہ فام لوگ سفید فاموں کو تباہ کرنے کے بعد اسی زمین پر رکھیں گے۔ الیجا کے کہنے کے مطابق قیامت کا مطلب "سفید فام نسل کی قیامت ہے"

فارد محمد FARD MOHD.

۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک شہر ڈیٹرائٹ میں بتشیر و تبلیغ کرنیکے بعد دنیا سے پردہ کر گئے، اور الیجا محمد نے فارد کے معبود مجسم ہونے کی تبلیغ فارد کی روپوشی کے بعد ہی شروع کی۔ فارد کی روپوشی کے بعد الیجا نے کہنا شروع کیا کہ فارد جنت کی طرف لوٹ گئے تاہم امریکہ اور سفید نسل کا آخری طور سے خاتمہ کرنے کے لئے وہ ایک بار اور ظاہر ہوں گے اس کے بعد وہ سارے امریکی زنگیوں (امت گم گشتہ) کو جو ان کے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں لے کر جنت (مکہ) کی طرف چلے جائیں گے اور وہیں مکہ سے سارے عالم پر فولادی ہاتھوں سے حکومت کرینگے۔

لیکن الیجا نے یہ کبھی نہیں بتایا کہ ہم اپنے اصل وطن افریقہ واپس ہوں گے، بلکہ وہ افریقی تمدن اور وہاں کے ممتاز قبیلوں پر طنز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اکثر دیکھے گئے

همه آهوان صحرا سر خود نهاده بر کف
به امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

اٹھارہ ۱۸ سالہ تبلیغ اور مٹھی بھر پیرو۔!

۱۹۳۴ء سے ۱۹۵۲ء تک اٹھارہ سالہ جد وجہد کے بعد الیجا اپنے گرد مٹھی بھر پیروؤں سے زیادہ لوگوں کو اکٹھا نہ کر سکے، ان کے ماننے والوں کی تعداد ۱۹۵۲ء تک ۴۰۰ سے زیادہ نہ بڑھ سکی جن میں سے اکثر لوگ بہت کم عمر اور غیر مہذب تھے، اسکے علاوہ وہ ایشیائی اور عرب مسلمانوں کو اپنے عبادت گاہوں میں نہیں جانے دیتے، چنانچہ ان کا مذہب ایشیائی مسلمانوں اور عربوں سے بھی اسی طرح برسر پیکار رہے جس طرح سفید فاموں کے ساتھ۔

الیجا کے پیرو ۱۹۶۳ء تک اطاعت و فرمانبرداری کی مشق کے نام پر ایک انتہائی ظالمانہ نظام کو جھیلتے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم سب متفقہ طور سے الیجا کی پاکدامنی پر ایمان رکھتے تھے، ہمیں یقین تھا کہ وہ اخلاق و کردار کے نہایت بلند معیار کو پورا کر رہا ہے لیکن ہماری ساری خوش اعتقادی اور خوش فہمی کا طلسم اس وقت ٹوٹ گیا جب الیجا کے بیٹے ولاس محمد WALLACE MOHAMMAD نے خود اپنے باپ کے بارے میں یہ رسوا کن انکشاف کیا کہ اس کی اخلاقی حیثیت اسس قدر پست ہے جس کا تصور بھی ہر کس و ناکس کے لئے مشکل ہے۔ اس نے اپنی معتقد اور ہمراز خواتین میں سے سات دوشیزاؤں کو فریب دیا اور ان سے برا سلوک کیا۔ علاوہ ازیں وہ ان کے دس سے زیادہ ناجائز بچوں کا باپ ہے، اس انکشاف کے نتیجہ میں اخلاقیات اور اطاعت کی ٹریننگ کا پر فریب نظام ہمیشہ کے لئے درہم برہم ہو گیا۔

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۳ء کے درمیان دس لاکھ امریکی نیگروؤں سے زیادہ اس بگڑے ہوئے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے جس کی دعوت الیجا دیتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان کے پیروؤں کی تعداد اس وقت پانچ ہزار سے زیادہ نہیں لیکن باوجود اس کے کہ بہتوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، اس تحریک کا جادو ان پر نہیں چلتا، اور وہ الیجا کے مذہب کے کھوٹ اور اس کی اخلاقی پستی و گراوٹ سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں پھر بھی عیسائی مذہب اختیار کرنا اور دوبارہ کلیسا کی طرف لوٹنا انھیں ہرگز گوارہ نہیں ہے۔

سوال ۲ :۔ وہ کیا اسباب ہیں جن کی بنا پر کینیڈی کے قتل کے فوراً بعد الیجا نے آپ کو اپنا حریف سمجھنا شروع کر دیا، اور وہ کیا حالات تھے جن میں آپ نے اس تحریک سے مکمل علیحدگی اختیار کر لی؟

جواب :۔ میری بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت سے الیجا کو جنون کی حد تک نفرت ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں غیر مسلموں کے اجتماعات میں بھی جاتا اور خطاب کرتا تھا، جبکہ الیجا کا رعب اور وقار صرف اس کے قریبی پیروؤں تک محدود تھا، میں تحریک کی رکنیت کے زمانے میں الیجا کے ساتھ اپنی اندھی عقیدت کی بنا پر اس کی غلطیوں اور اس کی کمزوریوں کو سمجھنے سے، قاصر تھا۔

میرا خیال تھا الیجا دراصل مجھ سے حسد و نفرت نہیں رکھتا بلکہ اس کے خاندان والے مجھ سے جلتے ہیں، چنانچہ اس کے بیٹے اور اس کے اہل خاندان جب الیجا کے بغض وحسد سے (جو وہ میرے متعلق رکھتا تھا) مجھے خبردار کرتے تھے تو میں ان کی باتیں سنی ان سنی کر دیتا تھا، وہ لوگ کہتے تھے کہ الیجا نفرت وحسد میں پاگل ہو رہا ہے اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔

جب الیجا کو معلوم ہوا کہ اس کے بیٹے ولاس نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے باپ نے اپنی رازدار، عقیدت مند دوشیزاؤں کو دھوکہ دیا ہے اور ان سے یہ کہا ہے کہ وہ خود نبی محمد ہے (العیاذ باللہ)، اس طرح ان میں ہر ایک کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ وہ سب سے چھوٹی اور سب سے حسین اور محبوب ترین بیوی یعنی عائشہ ہے) تو الیجا کو یہ خوف ہوا کہ تحریک کے اندر میرا یہ مقام اور مقبولیت اس کے اور اس کے جانشین بیٹوں کے حق میں سخت خطرناک ہے، اسکے ان صاحبزادگان کو بھی جو تحریک میں کرتا دھرتا تھے مسلمانوں میں میری بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خطرہ لاحق ہوا، چنانچہ اچانک انھوں نے میری صلاحیتوں کا اعتراف کرنا چھوڑ دیا اور اسوقت تک خاموش رہے جبتک کینیڈی کے قتل کے بارے میں میرے وضاحتی بیانات نے انھیں وہ موقع نہیں فراہم کیا جسکے وہ مدت سے منتظر تھے اور جبتک ان بیانات کی وجہ سے میرے خلاف ہر تحریری اقدام اور حتی کہ مجھے تحریک سے برطرف کرنے کیلئے انھیں تائید حاصل نہیں ہو گئی۔

اسی وقت انھوں نے ایک قرارداد پاس کی جسکے ذریعہ تین ماہ تک مجھے تحریک کی ترجمانی کرنے سے روکدیا گیا تھا، اسی طرح مجلس عاملہ میں اندرونی طور سے انھوں نے مجھے تحریک سے بالکل نکالدینے کی سازش بھی شروع کر دی اسی کے ساتھ الیجا نے میرے قتل کا حکم بھی صادر ہو اپنی طرف سے جاری کر دیا کیونکہ اُسے ڈر ہے کہ میں اسکے پیروؤں کے سامنے اسکی اخلاقی گراوٹ کا پردہ چاک کردوں گا۔

(باقی آئندہ)

اسلام اور رسومات تدفین

حبیب الرحمٰن ندوی

اسلام سے قبل دنیا میں تجہیز و تکفین کے بیشمار طریقے رائج تھے کہیں مردوں کو دریا کی بہتی ہوئی موجوں کے حوالے کرنیکا رواج تھا تو کہیں صحراؤں اور جنگلوں میں پھینکنے کا۔ اہل چین آج اپنے مردوں کو آگ میں ڈال کر جلایا کرتے ہیں مجمع منتخب التواریخ کے مصنف نے لکھا ہے "یہی حبشی بھی اپنے مردوں کو جنگل میں لیجا کر درختوں سے باندھ دیا کرتے تھے حال ہی میں ماہرین آثار قدیمہ کی ایک جماعت نے یہ انکشاف کیا ہے کہ لاطینی امریکہ کی بعض قدیم بستیوں میں مردوں کو چٹائی میں لپیٹ کر بھاری بھرکم پتھروں سے دبانے کا رواج تھا، لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اس طرح مرنے والے کی روح زندہ انسانوں کو کوئی گزند نہیں پہونچا سکتی، عورتوں اور درشت مزاج لوگوں سے زیادہ تباہی کا اندیشہ سمجھا جاتا اس لئے ان کے لئے زیادہ وزن دار پتھر استعمال کیا جاتا۔

مصر کی پرعظمت اور پرشکوہ رسومات تدفین شروع، شروع میں فراعنہ مصر ہی تک محدود تھیں لیکن بعد میں یہ اعزاز ہر اس شخص کو نصیب ہونے لگا جو اپنی لاش کو ممی بنانے اور نقش و نگار سے مزین مقابر تیار کرنے کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت رکھتا۔ زمانۂ قدیم میں اسی سے ملتا جلتا طریقہ جاپان میں بھی رائج رہا، وہاں بھی امراء اور سلاطین کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکلتا اور اس پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کیجاتیں امراء اور سلاطین کے ساتھ ان کے چہیتے ملازمین کو دفن کرنے کا رواج شاید یہیں سے شروع ہوا جسکے اثرات مصر میں بھی پائے گئے۔ اور اسی سے ملتی جلتی "ستی" ہونے کی رسم ہندوؤں نے بھی اختیار کی مگر یہاں چونکہ مردوں کو جلانے کا رواج ہے اس لئے ستی ہونے والی عورت مرد کی جلتی ہوئی چتا میں کود کر جان دیا کرتی تھی۔ اسلام سے قبل دنیا میں مردوں کو دفن کرنیکا رواج بھی تھا مگر یا تو مردے استادہ حالت میں دفن کئے جاتے یا حالت نشست میں البتہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مہذب عرب تھے جن کے یہاں مردے باقاعدہ دفنا کر مسلمانوں کی طرح دفن کئے جاتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں تجہیز و تکفین کا کوئی باقاعدہ اصول نہیں ۔۔۔ تھا طرح طرح کی بدعقیدگی اور بے شمار غیر ضروری رسومات کی بھرمار تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ مردوں کے دفن کرنے کا وہی طریقہ باقی رکھا جو عرب میں رائج تھا لیکن زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح تجہیز و تکفین کے اس مسئلے کے ایک ایک جزئیے کو بھی آپ نے اپنی توجہ کا مستحق قرار دیا، اسی طرح کا ایک موقع ہے اور ایک خطبہ جسے ابوداؤد کے حوالے سے یہاں نقل کیا جاتا ہے،

عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل باللیل حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذالک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک صحابی کا انتقال ہوگیا، ان کے گھر والوں نے پورا کفن نہ دے کر رات ہی میں انکو دفن کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ..... یہ واقعہ سن کر برافروختہ تھے جس کا اظہار بھی آپ نے اپنے خطبے میں کیا اور اس بات کی سختی کیساتھ ممانعت فرمائی کہ بلا ضرورت مرنے والے کو رات میں دفن کیا جائے جب تک کہ نماز جنازہ نہ پڑھ لی جائے۔ آپ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا۔ اپنے مردوں کو کفن دو تو پورا اور اچھا کفن دو۔

تجہیز و تکفین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی ہدایتیں دی ہیں، فقہ اور احادیث کی کتابوں میں ان سب کو ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے فضول اور بیہودہ رسموں کی اسلام نے کس قدر سختی کیساتھ مخالفت کی ہے، اس آخری رسم کی ادائیگی میں بھی اس نے مرنے والوں کی عزت اور اس کے وقار کا کس درجہ احترام ملحوظ رکھا ہے۔ میت کو غسل دینے کا طریقہ، نماز جنازہ کی تعلیم، عام لوگوں کو نہ صرف تجہیز و تکفین میں شریک ہونیکا حکم بلکہ یہ تاکید بھی کہ وہ جنازہ کے ساتھ چلیں اور جب تک جنازہ اتار کر زمین پر نہ رکھدیا جائے وہ بیٹھنے میں جلدی نہ کریں، اور اس وقت تک واپس نہ ہوں جب تک کہ دفن سے فراغت نہ ہو جائے، پھر مرنیوالے کے اعزہ و اقارب کو تسلی و تشفی اور گاہے بگاہے مرنیوالوں کی قبروں کی زیارت، قبر پرستی سے اجتناب مگر اس کی بے حرمتی کی ممانعت ان تمام اصولوں میں کتنی وسعت اور کتنی حکمت ہے۔ بتاؤ کیا عبرت پذیری اور انسانی عزت و وقار کے تحفظ کا اس سے زیادہ بہتر اور موثر اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہے کیا مردوں کو جلا کر یا دریا میں ان کو بہا کر اس طرح ان کی قبروں کی زیارت اور ان سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے؟ اور کیا اس طرح وہ سوال و جواب اور آخرت کے محاسبے سے کسی طرح چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں اور یہ مہلت ان کو مل سکتی ہے کہ وہ کہیں سے

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں اور راقم سطور کی کسی تشریح کے بغیر خود آپ ہی کو یہ سوچنا بھی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اس آنے والے دن کے لئے ہم نے کیا تیاری کر رکھی ہے۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا فذکر فتنۃ القبر التی یفتتن فیہا المرء فلما ذکر ذالک ضج المسلمون ضجۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فتنۂ قبر کو بیان کیا تو حاضرین اس کی ہولناکی سے چیخ اٹھے

(بخاری کتاب الجنائز)

امام بخاری رح نے ایک جگہ حضرت انس رض کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ وانہ لیسمع قرع نعالہم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ہذا الرجل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فاما المومن فیقول اشہد انہ عبد اللہ ورسولہ فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار قد ابدلک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ فیراہما جمیعا واما المنافق والکافر فیقال لہ ما کنت تقول فی ہذا الرجل فیقول لا ادری کنت اقول ما یقول الناس فیقول لا دریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعہا من یلیہ غیر الثقلین (البخاری)

انسان جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اسے دفن کر کے اٹھتے ہیں تو ان کے جوتوں کی آہٹ ان کے کانوں میں آتی رہتی ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا کر دریافت کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ مومن تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس سے کہا جاتا ہے جہنم کو دیکھو جس سے تمہیں نجات دی گئی اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت عطا کی گئی، پس وہ جنت اور دوزخ دونوں کا مشاہدہ کرتا ہے، مگر منافق اور کافر اس سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ کہے گا میں ان کو نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنتا تھا وہی میں بھی کہا کرتا تھا۔ اسی وقت آواز آتی ہے کہ یہ جھوٹا ہے اور اسے لوہے کے گرز سے مارا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ چیختا ہے اس کی آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں۔

حضرت براء ابن عازب بیان کرتے ہیں، ایک انصاری کا انتقال ہوگیا، ہم ان کے جنازے میں گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ تھے، قبرستان، پہونچے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، ہم سب اس طرح خاموش تھے گویا پرند ہمارے سروں پر بیٹھے ہوں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھیر رہے تھے سر جھکا ہوا تھا، آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا، لوگو! عذاب قبر سے خدا کی پناہ مانگو، دو یا تین مرتبہ آپؐ نے یہ حکم دیا پھر ارشاد فرمایا۔

ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدنیا واقبال من الآخرۃ نزل الیہ ملائکۃ من السماء بیض الوجوہ کان وجوہہم الشمس معہم کفن من اکفان الجنۃ وحنوط الجنۃ حتی یجلسوا منہ مد البصر ثم یجیء ملک الموت علیہ السلام حتی یجلس عند راسہ فیقول ایتہا النفس الطیبۃ اخرجی الی مغفرۃ من اللہ ورضوان قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرۃ من السقاء فیاخذہا فاذا اخذہا لم یدعوہا فی یدہ طرفۃ عین حتی یاخذوہا فیجعلوہا فی ذالک الکفن وفی ذالک الحنوط ویخرج منہا کاطیب نفحۃ مسک وجدت علی وجہ الارض قال فیصعدون بہا فلا یمرون علی ملأ من الملائکۃ الا قالوا ما ہذا الروح الطیب فیقولون فلان بن فلان باحسن اسمائہ التی کانوا یسمونہ بہا فی الدنیا حتی ینتہوا بہا الی السماء الدنیا فیستفتحون لہ فیفتح لہم فیشیعہ من کل سماء مقربوہا الی السماء التی تلیہا حتی ینتہی بہ الی السماء السابعۃ فیقول اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فی جسدہ اتتوہ کو سوال الملائکۃ وغیرہ کما مر قال ویاتیہ رجل حسن الوجہ حسن الثیاب طیب الریح فیقول ابشر بالذی یسرک ہذا یومک الذی کنت توعد فیقول لہ من انت؟ فوجہک الوجہ الحسن یجیء بالخیر فیقول انا عملک الصالح فیقول رب اقم الساعۃ رب اقم الساعۃ حتی ارجع الی اہلی ومالی۔ وان العبد الکافر اذا کان فی انقطاع من الدنیا واقبال من الآخرۃ نزل الیہ ملائکۃ سود الوجوہ معہم المسوح فیجلسون منہ مد البصر ثم یجیء ملک الموت حتی یجلس عند راسہ فیقول ایتہا النفس الخبیثۃ اخرجی الی سخط من اللہ وغضب فتفرق فی جسدہ فینتزعہا کما ینتزع السفود من الصوف المبلول

مومن کی موت کے وقت جبکہ وہ دنیا کی آخری ساعت میں اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے اس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں چمکتے ہوئے نورانی، سفید چہروں والے گویا ان کے چہرے سورج کی طرح مشہور ہوں۔ ان کے ساتھ جنت کے کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں یہ سب حد نگاہ تک باادب اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی وقت ملک الموت تشریف لے آتے ہیں اور مرنے والے کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے پاک روح چل خدا کی مغفرت اور اس کی رضامندی کیطرف، یہ سنتے ہی روح آسانی کے ساتھ جسم سے باہر ہو جاتی ہے جیسے مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک جاتا ہے، ملک الموت کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے جنتی فرشتے اسے لے لیتے ہیں اور جنت کی خوشبو لگا کر جنت کے کفن میں لپیٹ لیتے ہیں اس کی خوشبو ایسی اڑتی ہے کہ تم نے کبھی روئے زمین پر ایسی عمدہ خوشبو نہیں سونگھی اب یہ فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اور فرشتوں کی جو جماعت ان سے ملتی ہے وہ ان سے دریافت کرتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ وہ اس کا وہ اچھا نام بتا دیتے ہیں جس سے یہ دنیا میں مشہور تھا۔ اسی طرح آسمان اول تک پہونچتے ہیں اسے کھلواتے ہیں اور وہ کھول دیا جاتا ہے یہاں کے مقرب فرشتے بھی اس کا استقبال کرتے ہیں اور دوسرے آسمان تک اسے پہونچانے جاتے ہیں اسی طرح وہ ساتویں آسمان پر پہونچا دیا جاتا ہے اور فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے اس کے جسم کی طرف لوٹا دو، اس کے بعد منکر نکیر آتے ہیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اس کے بعد اس کے پاس ایک شخص آتا ہے بہت ہی خوبصورت حسین بہترین لباس پہنے ہوئے خوشبو سے مہکتا ہوا آتے ہی کہتا ہے، خوش ہو جاؤ اب تو راحت و سرور اور چین و آرام ہی ہے اسی دن کا آپ سے وعدہ کیا جاتا رہا۔ یہ اس سے پوچھتا ہے آپ کون ہیں؟ آپ کی خوبصورتی اور رعنائی نے تو میرا دل موہ لیا وہ جواب دیتا ہے میں آپ کے نیک اعمال کا مجسمہ ہوں، اب تو یہ مارے خوشی کے اچھل پڑتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ الٰہی قیامت جلدی قائم ہو تاکہ میں انعامات حاصل کروں اور اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو پاؤں ۔۔۔ برخلاف اس کے کہ جب کافر کی آخری گھڑی آتی ہے تو سخت خوفناک چہروں والے فرشتے جہنمی کپڑے لئے ہوئے اس قدر آتے ہیں کہ حد نگاہ تک وہی دکھائی دیتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے ناپاک خبیث روح اللہ کی ناراضی غضب اور غصہ کی طرف چل، یہ سنتے ہی روح جسم میں ادھر ادھر چھپنے لگتی ہے ملک الموت اسے جبرا گھسیٹتے ہیں

(باقی [illegible])

ہیروں کا شہنشاہ کوہ نور اور

تختِ طاؤس نادر شاہ کے قبضہ میں

حافظ محمد حسان علوی ——— ایم اے کاکوروی

نادر شاہ نے دو مہینے دہلی میں گزارے اور یہاں ہر طرح سے محفوظ دولت و تاوانِ جنگ جمع کرنے میں لگا رہا!

۲۶ مارچ کو اس کے سب سے چھوٹے لڑکے مرزا نصر اللہ کی شادی شاہزادہ فراد بخش کی پوتی سے ہوگئی، جو داور بخش کی لڑکی اور شہنشاہ شاہجہاں کی پرپوتی اور شہنشاہ اورنگ زیب کی حقیقی نواسی تھی!

اس شادی سے ایک ہفتہ قبل ہی بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر دن رات خوشیاں منائی گئیں، اور دیوان خاص کے سامنے دریائے جمنا کے کنارے ہر رات کو رنگ برنگ کی روشنیاں ہوا کرتی تھیں اور دن کے وقت ہاتھیوں، بیلوں، چیتوں اور ہرنوں کی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں!

فاتح اعظم نادر شاہ اپنی سخت اور طویل ترین مہموں کے بعد کچھ آرام کرنے کا بھی خواہشمند تھا، بہترین رقص اور گانے اس کے سامنے پیش کئے گئے ایک ہندوستانی رقاصہ نور بائی نے نادر شاہ کو اپنی موسیقی، اپنی غزلوں اور اپنے بہترین رقص کا آنا زیا؟ مسحور اور متاثر کر دیا کہ اس نے اس کو چار ہزار روپے انعام کے طور پر دیئے جانے کا حکم دیدیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم صادر کیا کہ اس کو اپنے ساتھ ایران لے جایا جائے۔ بڑی ہی مشکلوں اور خوشامدوں سے وہ اپنے آپ کو بچا سکی، اور شاہ نے اس کی خوشامدوں سے متاثر ہو کر اس کو اپنے ساتھ لے جانے کا آخر وقت میں ارادہ ملتوی کر دیا!

دہلی میں رہ کر نادر شاہ نے تاوانِ جنگ کے لئے جتنا روپیہ حاصل کیا، ایران کے اسٹیٹ سکریٹری کے تخمینہ کے مطابق پندرہ کروڑ روپیہ نقد ہوتا ہے، اس کے علاوہ شاہی خزانے سے ہیرے جواہرات، کپڑے ساز و سامان اور دوسری قیمتی اشیاء طلب کی گئی تھیں، امرائے سلطنت کے اشیاء بھی شامل تھیں ان سب اشیاء کا تخمینہ مندرجہ ذیل فہرست سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) سونے اور چاندی کی اینٹیں اور نقد ۳۰ کروڑ روپیہ

(۲) تختِ طاؤس اور دوسرے ۷ عدد تخت ...... ۹ کروڑ روپے۔

(۳) ہتھیار، قیمتی پتھر جڑے ہوئے پیتل کے برتن اور قیمتی فرنیچر ۷ کروڑ روپے۔

(۴) ہیرے جواہرات — ۲۵ کروڑ روپے۔

کل تخمینہ ستر کروڑ روپیہ

اس کے علاوہ تین سو ہاتھی، دس ہزار گھوڑے اور دس ہزار اونٹ بھی وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، وزیر کا سکریٹری آنند رام مندرجہ ذیل تخمینہ لگاتا ہے

(۱) نقد .... ساٹھ لاکھ روپیہ۔

(۲) سونے کے سکے ...... چند ہزار۔

(۳) سونے کے برتن ...... ایک کروڑ روپیہ۔

(۴) کوہ نور اور دوسرے ہیرے جواہرات ...... پچاس کروڑ روپے۔

کوہ نور کے متعلق آنند رام ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:-

"محمد شاہ اس ہیرے کو اپنے سے کبھی جدا نہیں کرتا تھا، لیکن ایک غدار خواجہ سرا نے نادر شاہ سے یہ راز فاش کر دیا کہ شاندار ہیرا محمد شاہ کے تاج میں پوشیدہ ہے، نادر شاہ یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوا اور اس خواجہ سرا کو دولت سے مالا مال کر دیا، اس کے بعد اس نے ایک چال چلی، جب نادر شاہ کو رخصت کرنے کے لئے ایک دربار منعقد کیا گیا تو اس نے محمد شاہ کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ وہ دونوں آپس میں اپنے اپنے تاج یادگار کے طور پر ایک دوسرے سے بدل لیں اس کے بعد بحث کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے کانپتے ہوئے ہاتھ اور غمگین نظروں سے محمد شاہ نے یہ تاج بدل لیا، نادر شاہ اس تاج کو لیکر فوراً ایک عقبی کمرہ میں چلا گیا، اور اس شاندار اور عظیم پتھر کی چمک دمک دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا، اور اسی حیرانی کی حالت میں چیخ اٹھا "کوہ نور" اسی دن سے اس ہیرے کا نام کوہ نور پڑ گیا، اور زبان زد عام ہو گیا"۔

اس کے علاوہ عام خزانہ سے اس کو تین کروڑ طلے اور شاہی خزانہ جو عام طور سے پچھلے بادشاہوں کے زمانہ میں بند رہا کرتا تھا، سے بھی اچھا خاصا مل گیا۔

عبد الکریم بیان کرتا ہے کہ صرف دہلی کی بیگمات کی دولت اور دوسری جائیدادیں بچ سکیں "اس کا یہ بیان کسی حالت میں بھی یقین کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہیں اٹھانا پڑا، اور نہ ہی اُن کی کنیزوں کے زیورات پر ہاتھ لگایا گیا!

ایک طرف شہنشاہ اور امرائے سلطنت دولت سے محروم کئے جا رہے تھے اور دوسری طرف عوام بھی اس سے نہ بچ سکے، وہ دولت مند لوگ، جو قتل عام اور لوٹ کھسوٹ سے بچ گئے تھے، اعلان کیا گیا کہ "ان دولت مندوں سے ان کی دولت کا نصف حصہ لے لیا جائے" اور ان ہی ذرائع سے دو کروڑ روپیہ فراہم کئے جانے کا حکم دیا گیا۔" لیکن ہینوے بیان کرتا ہے کہ "ماہ اپریل کے دوران میں ناجائز طریقے سے عوام سے چار کروڑ روپیہ وصول کر لیا گیا تھا"!

عوام کی دولت کا تعین کرنے کے بعد ان لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ "نصف حصہ جلد از جلد ادا کر دیں، ادائیگی میں کسی قسم کی تاخیر یا اعتراض سے ہو سکتا ہے کہ ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے یا کوئی اور مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے" دفن شدہ روپیہ کی تلاش میں گھروں کے فرش تک کھود ڈالے گئے تھے!

تاوانِ جنگ وصول کرنے کیلئے حساب دان مقرر کئے گئے تھے، جو تہماسپ خان جالیر کے ماتحت تھے، بلکہ عوام کو زبردست بربادی سے بچانے کیلئے دو اشرف کے امراء کو حکم دیا گیا کہ "وہ دولت مند عوام کو بلائیں اور ان کی املاک کی فہرست بنا ڈالیں، ان کے رواں کی فہرست کے مطابق زمین یا جبر و تشدد سے روپیہ وصول کر لیں علاوہ ازیں ذرائع بھی معلوم کر لیں جہاں سے ان لوگوں کو روپیہ ملتا ہے"!

نادر شاہ نے نظام، وزیر عظیم اللہ، سربلند خان، اور مرتضیٰ خان کو روپیہ وصول کرنے کا حکم دیا اور سارا شہر پانچ طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور مختلف محلوں کے دولتمندوں کی فہرست ان امراء کو دے دی گئی تھی!

آنند رام بیان کرتا ہے کہ "وہ علاقے جن میں نظام اور وزیر کو روپیہ جمع کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہاں تو ان لوگوں نے انسانیت کا برتاؤ کیا اور وزیر نے روپیہ کا ایک بڑا حصہ اپنی جیب خاص سے ادا کر دیا تھا لیکن دوسرے چار علاقوں میں عوام کی پریشانیاں، تکالیف حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں، خاندان کے خاندان تباہ و برباد کر ڈالے گئے، بہتوں نے تو اپنی تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو موت کی نیند سلا دیا تھا!

بیان کیا جاتا ہے کہ وزیر قمر الدین خان کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا اور دوسری تکالیف پہونچا کر اس کو ایک کروڑ روپیہ ادا کرنے کے لئے مجبور کیا گیا، اس کے علاوہ ہیرے جواہرات بھی، پھر اسے سربلند خان کے پاس بھیجدیا گیا، تاکہ جسمانی تکالیف پہونچائی جائیں، اس کے کان عام دربار میں کاٹ ڈالے گئے، اور جب وہ اس ناگفتہ بہ حالت میں اپنے گھر گیا، تو اس سے یہ بے عزتی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے ۸ اپریل کو خودکشی کر لی، گورنر بنگال کے درباری ایجنٹ کو خوب مارا پیٹا گیا، اور پھر اس نے بھی اپنے سارے خاندان سمیت زہر کھا لیا۔ جیسا کہ ہینوے بیان کرتا ہے کہ "دنیا کا کوئی بھی وحشیانہ ظلم و تشدد باقی نہیں رہ گیا تھا، جس پر عمل نہ کیا گیا ہو"!

اس زمانہ میں نادر شاہ دہلی میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے رہا، سکے بھی اس کے نام سے جاری کئے گئے، اور مسجدوں میں خطبہ بھی اس کے نام سے پڑھا گیا، شاہانِ شاہ کا لقب جو مغل بادشاہوں نے اپنے لئے وقف کر رکھا تھا، نادر شاہ نے اپنا لیا، مغلائی گورنروں کو اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنا پڑا، اور سکے بھی اس کے نام سے مضروب کرانا پڑے، محمد شاہ بھی دہلی میں رہا، لیکن ایک قیدی کی حیثیت سے، اور اس کے امراء کی بھی بڑی ناگفتہ بہ حالت تھی!

ایرانی فوج کے سرداروں کو دریا دلی کے ساتھ بڑے بڑے انعامات سے نوازا گیا، اور تمام سپاہیوں کو اٹھارہ ماہ کی پیشگی تنخواہیں ادا کی گئیں اور انعامات سے نوازا گیا!

نادر شاہ شیخ معین الدین چشتی رح کے مقبرہ کی زیارت کے لئے جانا چاہتا تھا، یہ سفر راجپوت ریاستوں کی بیخ کنی کے لئے کیا جا رہا تھا، اس کی اعلان کردہ نقل و حرکت پر سوائی جے چند نے گھبراہٹ اور خوف و دہشت میں اپنے خاندان اور اپنے امراء کو اودے پور کے اونچے اونچے پہاڑوں میں روانہ کر دیا، اور خود اپنی دارالسلطنت میں مقیم رہا، تاکہ نادر شاہ کو دیکھتے ہی وہ بھی فرار ہو جائے باجی راؤ پیشوا اسوقت برہان پور میں تھا، اس نے بھی ایرانی حملوں کی روک تھام کے لئے دکھن کے تمام بحری و بری راستوں پر حفاظتی تدابیر اختیار کر لی تھیں!

بقیہ: مرحومات تدفین

فیاخذها	جس طرح کسی کی کھال،
فاذا اخذها	اتاری جائے ان کے ہاتھ
لم یدعوها فی	سے فرشتے اس وقت لے
یده طرفة	لیتے ہیں اور جہنمی کپڑے
عین حتی یجعلوها	میں اُسے لپیٹ لیتے ہیں
فی تلك المسوح	بدبو اس قدر اس سے نکلتی
ویخرج منها	ہے کہ روئے زمین پر کسی
کانتن جیفة	بدبو کسی مردار کی تم لوگوں
وجدت علی وجه	نے نہ سونگھی ہو، فرشتے
الارض فیصعدون	اسے لے کر اوپر چڑھتے ہیں
بها فلا یمرون	فرشتوں کی جو جماعت
بها علی ملاء	ملتی ہے دریافت کرتی
من الملائکة	ہے کہ یہ خبیث روح کس
الا قالوا ما هذه	کی ہے؟
الروح الخبیثة	یہ اس کا وہ نام بتا دیتے
فیقولون فلان	ہیں جس بد ترین نام
بن فلان باقبح	سے یہ دنیا میں مشہور
اسمائه التی	تھا۔ اسی طرح جب آسمان
کان یسمی	دنیا تک پہونچ جاتے ہیں
بها فی الدنیا	دروازہ کھلوانا چاہتے
حتی ینتهی به	ہیں تو کھولا نہیں جاتا —
الی السماء الدنیا	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
فیستفتح له فلا	نے اس کے بعد قرآن
یفتح له ثم	کی یہ آیت تلاوت فرمائی
قرء رسول الله	اُنکے لئے آسمان کے
صلی الله علیه وسلم	دروازے نہیں کھولے
لا تفتح لهم	جاتے اور نہ یہ جنت
ابواب السماء	میں جا سکتے ہیں۔ جب
ولا یدخلون	تک کہ سوئی کے ناکے
الجنة حتی یلج	میں اونٹ نہ چلا جائے،
الجمل فی سم الخیاط	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فیقول الله عزوجل	نے فرمایا جب یہ روح
اکتبوا کتابه	آسمان تک پاتی ہے تو
فی سجین فی	خدا کی بارگاہ سے حکم
الارض السفلی	ہوتا ہے کہ اس کی کتاب
ثم تطرح	زمین کے نیچے سجین میں
روحه طرحا	لکھ لو اور وہیں اس کی
ثم قرء ومن	روح پھینک دی جاتی
یشرك بالله	ہے۔ جیسے قرآن پاک
فکانما خر	میں ہے، خدا کے ساتھ
من السماء	جس نے شرک کیا گو یا کہ
فتخطفه الطیر	وہ آسمان سے پھینک دیا
او تهوی به	گیا۔ اب خواہ اسے اٹھتے
الریح فی مکان	ہی پرندے اُچک لیں
سحیق فتعاد	یا اسے ہوا کہیں کسی خطرناک
روحه فی جسده	دور دراز گڑھے میں پھینک
ثم ذکر	دیں۔ اس کی روح اس
سوال الملائکة	کے جسم میں لوٹا دی
وجوابه ن	جاتی ہے پھر اس سے سوالات
عذاب القبر	ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر
علیه کما	آیا ہے اور پھر اس کے
فی قال ویاتیه	پاس ایک ڈراونی خوفناک
رجل قبیح الوجه	اور سیاہ شکل والا شخص
قبیح الثیاب	آتا ہے جو بد ترین لباس
منتن الریح	میں ہوتا ہے جس کے
فیقول البشر	جسم و لباس سے سڑی
بالذی	ہوئی بدبو اُڑتی رہتی ہے
یسوءك الشر بعون	وہ اس سے کہتا ہے لے
من الله وعذاب مقیم	اب مصیبت کے وقت کے لئے
هذا یومك الذی	تیار ہو جا۔ اب تیرے لئے
کنت توعد فیقول	سوائے برائی اور عذاب
لبشرك الله بالشر	و سزا اور کچھ نہیں آج
من انت؟ فوجهك	ہی کا تجھ سے وعدہ تھا۔ یہ
الوجه القبیح یجی	عذاب کے مزے چکھو۔ یہ
بالشر فیقول انا عملك	حیرت زدہ ہو کر ڈرتے
الخبیث کنت	ڈرتے اس سے پوچھتا ہے
بطیئا فی طاعة الله	تو کون ہے؟ تیری ہیبت سے
سریعا فی معصیته	تو میری حالت خراب ہو گئی
فجزاك الله شرا	وہ کہیگا میں تیری بد اعمالیاں
ویقول رب لاتقم	اور گناہوں کا مجسمہ ہوں تو
الساعة (مسند احمد مشکوٰۃ)	اللہ کی فرمانبرداری کو سے ۲۲

کشمیر میں
اسلام کی کہانی

معروف الفاضلی متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء

قسط ۱

اسلام حیاتِ انسانی کے لئے ایک نظامِ کامل ہے، اور ہر گیر پہلو رکھنے والا ضابطہ اور دستورِ حیات ہے نہ زمان و مکان کے قیود سے وابستہ ہے اور نہ کسی قوم و فرد کا پابند، اسلام جہاں بھی اور جب بھی اپنی دلاویز صفات اور دل پذیر تعلیمات کے ساتھ پہونچا اس کو کامیابی نصیب ہوئی اور اس نے اپنے سایۂ رحمت سے کسی کو محروم نہیں کیا۔

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا سہرا حضرات صوفیاء کرام کے سر ہے۔ اور یہ انہی حضرات کا ایک اہم اور ناقابلِ انکار کارنامہ ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جو علاقے اقتدار و سلطنت کے مرکز رہے، وہاں مسلم عہدِ حکومت میں بھی مسلمان اقلیت ہی میں رہے دہلی پانی پت وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں بخلاف اس کے کہ جو علاقے حکومت و سلطنت کے اثر و نفوذ سے محفوظ رہے یا کم سے کم متاثر ہوئے، وہاں صوفیاء کرام کے دم قدم سے مسلمان الحمدللہ آج بھی اکثریت میں ہیں، اس کی مثالیں بنگال و کشمیر کے علاقے ہیں۔

اشاعتِ اسلام کے اعتبار سے اگر مصر، ایران افغانستان اور وسط ایشیا پہلے نمبر پر ہیں تو کشمیر کا نام دوسرے نمبر پر آتا ہے، کشمیر میں اسلام فاتحانہ اور آمرانہ حیثیت سے نہیں آیا ہے بلکہ اس کی اشاعت و تبلیغ فی الحقیقت حضرات علماء و مشائخ کا کارنامہ ہے اور اس کی توسیع و ترویج میں ان صوفیاء کرام کی کوششوں کو دخل ہے، جنہوں نے وقتاً فوقتاً اس سرزمین کو اپنی آمد سے شرف بخشا، یہ اہلِ قلوب براہِ راست قلوب پر حکومت کرتے تھے اور ان کے اخلاق کریمانہ، ان کے بلند کردار اور پاکیزہ سیرت کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے۔

جب ہم کشمیر کی کہانی شروع کرتے ہیں تو شاہ میر نامی ایک شخصیت ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے یہی وہ پہلا مسلمان ہے جو کشمیر میں داخل ہوتا ہے عام تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی نام سے ہوا ہے لیکن نزہۃ الخواطر[1] میں شاہ مرزا کہکر ذکر کیا گیا ہے

شاہ میر اصل باشندے سوادِ کنمر کے ہیں جو کاشغر میں واقع ہے، تاریخِ فرشتہ میں ان کا جو شجرۂ نسب درج ہے، اسی کو محمد الدین فوق نے "مکمل تاریخ کشمیر" میں نقل کیا ہے، شاہ میر بن شاہ طاہر بن قور شاہ بن آل گرشاسپ بن نیکودز[2]، سلسلۂ نسب کی آخری کڑی ارجن (پانڈو) سے جا ملتی ہے۔ صاحب نزہۃ الخواطر ہی کے بیان کے مطابق ان کے اسلاف میں سے کوئی صاحب خراسان آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

شاہ میر کے جد امجد قور شاہ ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، تاریخی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہ میر کی ولادت ہوئی، تو قور شاہ نے کشف و الہام کی روشنی میں پیشنگوئی کردی کہ آگے چل کر یہ لڑکا خطۂ کشمیر کا فرمانروا ہوگا اور اس کے بعد بھی کئی پشتوں تک حکومت اس کے خاندان میں رہے گی،

آگے چل کر دادا کی اس پیشنگوئی کے پیشِ نظر شاہ میر اپنے اہل و عیال کے ساتھ عازمِ کشمیر ہوئے، پکھلی کے راستے سے بارہ مولہ پہونچے۔ والیٔ کشمیر راجہ سہدیو تک رسائی پائی راجہ نے ان کی شرافت و نجابت کو تاڑ لیا، اور ایک موضع جاگیر میں دیا، بلکہ اپنے مصاحبوں میں بھی داخل کر لیا، یہ واقعہ ۱۳۲۰ء مطابق ۷۱۹ھ کا ہے۔

ٹھیک اسی زمانے میں راجہ رینچن والیٔ تبت کا لڑکا رینچن بھی کسی وجہ سے کشمیر بھاگ آیا اور راجہ سہدیو کے سپہ سالار رام چند کے پاس سابق مراسم و تعلقات کی بنا پر ٹھہر گیا۔

۱۳۲۳ء میں ذوالقدر خاں تاتاری (ذوالچو) کا وہ مشہور تاریخی حملہ کشمیر پر ہوتا ہے جس نے سارے کشمیر کو جھنجھوڑ کر رکھدیا اور ایک قیامت برپا ہوگئی پورا ملک ویران ہو کر رہ گیا، راجہ تو مقابلہ کی تاب نہ لاکر کشتواڑ بھاگ گیا اور رام چند ہزاروں ستم رسیدگان کے ساتھ ایک قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ ان ہی قلعہ نشینوں میں شاہ میر اور راجہ زادہ رینچن بھی تھے، تاتاری حملۂ ناگہانی کے قیامت خیز اثرات پورے آٹھ ماہ تک رہے اس کے بعد یک گونہ امن و اطمینان ہوا تو رینچن نے موقع پاکر رام چند کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ٹھان لی۔ اس نے سازش کی اور شاہ میر کو بھی ہمنوا بنایا۔ جس کے نتیجہ میں رام چند بحالتِ خواب اپنی خوابگاہ ہی میں مارا گیا۔ اب تو گویا اس کے لئے میدان صاف تھا، سیدھا شاہی محلات میں آکر تاجِ شاہی سر پر رکھا، اور باضابطہ اپنی حکومت کا اعلان کر کے مستقل حکومت راجہ "سہدیو" کے خاندان سے منتقل کر لی۔

۱۳۲۴ء میں رینچن فرمانروائے کشمیر ہوا، یہ اصلاً بدھ مت کا پیرو تھا، لیکن کشمیر آکر اس نے یہاں دوسرا ہی طریقہ مروج پایا۔ لوگ مذہبی بندشوں سے آزاد ہو کر خدا سے بھی منحرف ہو گئے تھے، گھر گھر نیابت تھا اور ہر فرد کا الگ الگ دین، تختِ سلطنت پر آنے کے بعد اُسے مذہب کی فکر و تلاش ہوئی، وہ چاہتا تھا کہ لوگوں میں مذہبی وحدت پیدا ہو لیکن کافی بحث و تمحیص کے بعد بھی وہ کسی خاطر خواہ نتیجہ تک نہیں پہونچا ناچار اس نے نذر مانی کہ کل صبح جس شخص کا منہ میں پہلے دیکھوں گا اسی کا مذہب اختیار کروں گا۔

اگرچہ شاہ میر کی دیرینہ مصاحبت اور ان کے اسلامی اخلاق و اوصاف نے اس کے دل میں اسلام سے یک گونہ انس پیدا کر دیا تھا، لیکن اسے یہ دشواری درپیش تھی کہ، رعایا سے ہٹ کر کس طرح علی الاعلان کوئی نیا مذہب اپنائے لیکن ایک اندرونی خلش اور کھٹک اسے چین سے بیٹھنے کب دیتی تھی، مجبور ہو کر اس نے وہ نذر مانی جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔

قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ عین اسی زمانے میں ۷۲۵ھ میں شیخ شرف الدین حسینی عرف بلبل شاہ باہر سے آئے ہوئے تھے، اگلی صبح کو راجہ نے اپنے محل سرا کی کھڑکی سے باہر نظر ڈالی دیکھا کہ لبِ دریا کوئی نووارد شخص غیر متعارف طریقہ پر مصروفِ عبادت ہے

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد دوم ص۵۱
[2] تاریخ فرشتہ اردو جلد چہارم ص۶۵

(شیخ شرف الدین حسینی اسوقت نمازِ فجر ادا کر رہے تھے) چنانچہ شیخ دربار میں بلائے گئے، راجہ نے پوچھا کہاں سے آنا ہوا؟ اور کس مذہب سے تعلق ہے؟

شیخ نے موقع غنیمت جان کر اپنے جواب میں اسلام کی پر اثر اور بلیغ انداز میں تبلیغ کر ڈالی۔[1]

"ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد" بات دل سے نکلی تھی دل میں اتر گئی، شاہ میر کی قدیم محبت نے اسلام سے پہلے ہی روشناس اور مانوس کرا دیا تھا، اب شیخ کی موثر تحریک اور مزید وعظ و تقریر نے اندرونی جذبے ...... کو ابھار دیا، اسی وقت شیخ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔[2] شیخ نے ہی ان کا نام سلطان صدرالدین تجویز کیا، یہ گویا کشمیر میں مسلمان سلطنت کی سنگِ بنیاد تھی، جو آپ کے ہاتھوں رکھی گئی، سلطان کے زیرِ اثر اور لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا، یہ دینِ حق کی پہلی آواز تھی جو گلستانِ کشمیر میں اس طرح بلند ہوئی کہ اس کی صدائے بازگشت آج بھی پوری دنیا میں گونج رہی ہے، یہ نورِ ہدایت کی پہلی شمع تھی جو شیخ شرف الدین کے مبارک ہاتھوں روشن ہوئی،

شیخ کو اہلِ کشمیر حضرت بلبل شاہ کے نام سے جانتے ہیں، آپ کا تذکرہ اسی نام[3] کے ساتھ (جو ابھی اوپر مذکور ہوا) نزہۃ الخواطر، مکمل تاریخ کشمیر اور "تاریخ کشمیر اعظمی" تینوں میں صراحۃً ملتا ہے، لیکن امیر کبیر نمبر ماہنامہ اذان سرینگر شائع شدہ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ اور رسالہ "شاہ ہمدان" مطبوعہ سرینگر میں (جو ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوا ہے) آپ کا تذکرہ "سید عبدالرحمن ترکستانی" کے نام کے ساتھ کیا گیا ہے، راقم کو ان کے صحیح ماخذ کا پتہ نہ چل سکا۔ "اسلام اور کشمیر" (کتابچہ موجودہ کتبخانہ ندوہ لکھنؤ) کے مقالہ نگار نے آپ کو شاہ بلال بتایا ہے ان کا بھی ماخذ نہ معلوم ہو سکا صاحب تاریخ کشمیر اعظمی نے بھی اس کی طرف ایک ضعیف سا اشارہ کیا ہے جو کہ مستند نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن راقم نے نزہۃ الخواطر اور مکمل تاریخ کشمیر کے بیانات پر اعتماد کیا ہے۔

سلطان نے آپ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور اس کے متصل ہی ایک مسجد اور ایک لنگر بھی بنوایا اس لنگر کے نام سے آج تک شہر سرینگر میں ایک محلہ "بلبل لانکر" آباد ہے، آپ کی وفات ۷۲۷ھ[4] میں ہوئی۔

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ثانی ص۵۲ تاریخ کشمیر (فوق) جلد اول حاشیہ ص۲۵۳ تاریخ کشمیر اعظمی از خواجہ محمد اعظم دومری ص۳۱،
[3] رسالہ شاہ ہمدان ص۲۰۔

نعت شریف

منظر جلیسری

تمہاری الفت کا درد مولا جو مل سکے تو جگر میں رکھ لوں
نشاطِ پرورِ حرم کے جلوے سما سکیں تو نظر میں رکھ لوں

وہ تازہ تازہ ہوائے جنت وہ بھینی بھینی فضائے جنت
نکھر نکھر کے جو آئیں جلوے جو بس چلے تو نظر میں رکھ لوں

سلام تازہ پیامِ تازہ جمال رنگیں کلام زیبا
پہنچ سکوں تو پہنچ کے اے دل یہ پیاری باتیں نظر میں رکھ لوں

یہ رنگ رنگِ جمال ارماں جو مل سکے تو سکون پیہم
یہ کیف ارماں کیف ساماں اگر میں زخمِ جگر میں رکھ لوں

گلوں کی نکہت نظر کی بجلی گھٹا کا جوبن چمن کی مستی
کھلیں گے بابِ حرم پہ جاکر ابھی تو منظر نظر میں رکھ لوں

ضروری اعلان

تعمیرِ حیات کا سالانہ چندہ مبلغ ۷/- روپیہ اور ششماہی ۴ روپیہ ہے

جن خریداروں نے سالانہ یا ششماہی چندہ مقررہ چندہ سے کم روانہ کیا ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ بقیہ چندہ جلد سے جلد روانہ کرنے کی کوشش کریں،

نیز

ہر قسم کی خط و کتابت یا شکایت کے موقع پر اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ فوری تعمیل میں دشواری ہوگی۔

"منیجر"

یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من

اے بہاروں کے نگہباں ضامن حسن چمن
شاہدِ ناز آفریں اے غیرتِ سرو سمن (۱)
اے چراغِ بزمِ امکاں اے فروغِ انجمن
اے مسرت کی کرن اے دافعِ رنج و محن
یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من

جس نے انساں کو کیا انسانیت سے سرفراز
جس نے سمجھائے حیات و مرگ کے راز و نیاز
جس کے سب ہیں رہنِ منت کیا حقیقت کیا مجاز (۲)
پھر وہی چشمِ کرم درکار ہے بندہ نواز،
یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من

ایک دو کیا ساری دنیا در پئے آزار ہے
نام تک میرا مٹانے کے لئے تیار ہے (۳)
اب مری ٹوٹی ہوئی کشتی ہے اور منجدھار ہے
اک نگاہِ لطف ہو جائے تو بیڑا پار ہے
یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من

کر رہے ہیں آج سب اپنے پرائے دشمنی
زندگی گویا مری الزام بن کر رہ گئی
ہو گیا ہے دیدنی عالم تباہی کا مری، (۴)
. . . .
یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من

شاعرِ ناکارہ و بدحال و خستہ دل ہوں میں
جستجو ہوتے ہوئے گم کردۂ منزل ہوں میں
بےخبر ہوں کم نظر ہوں بےخود و غافل ہوں میں (۵)
میرے آقا اک نگاہِ خاص کا سائل ہوں میں
یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من!

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

دہلی اور اس کے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی رحمہ سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور ان کی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے قیمت مجلد ۱۰ روپیہ

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع حسنی ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیسا تھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ عالم اور ولی زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جن کو پڑھ کر بےخبر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو وجد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت ۶/-

العقیدۃ السنیۃ

از مولانا محمد اویس کاندھلوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ کتاب شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ العقیدۃ الحسنۃ کی شرح ہے، اس کتاب میں نازک اور پیچیدہ مسائل اس طرح آسان اور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ طلباء تھوڑی سی محنت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، مولانا نے اس سلسلہ میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور بعض دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، مدارس عربیہ کیلئے ایک بیش بہا کتاب، طلبہ اور اہل علم کیلئے بہترین تحفہ۔

قیمت ۲/۲۵

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از: سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی تعمیری تحریک کا قیام، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دور نظامت، سلوک و تربیت اور عمومی بیعت و اصلاح کے ذوق کے ساتھ ساتھ عیسائیت، بہائیت، فتنۂ قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، کتاب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمے سے مزین ہے!

تمرین الصرف ○ تمرین النحو

جب ہمارے مدارس میں کم عمر کے طلبہ داخل ہونے لگے ہیں پڑھانے والوں کو اسکا احساس ہونے لگا ہے کہ صرف و نحو کی پرانی کتابیں ان کے سن و سال، ذہن و طبیعت کیساتھ مناسبت نہیں رکھتیں، دار العلوم نے اسی بات کے پیش نظر مبتدیوں کیلئے صرف و نحو کا نیا نصاب مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا ہے اور اسکی دو کتابیں تمرین الصرف و تمرین النحو شائع ہو چکی ہیں جو دار العلوم کے فضلاء مولانا محمد مصطفےٰ ندوی، مولانا عبد الماجد ندوی، مولانا معین اللہ ندوی نے مرتب کیا ہے۔

قیمت بالترتیب ۱/۵۰، ۱/-

مسئلۂ ختم نبوت — علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنے والے افراد کے حق میں یہ نافلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے!

قیمت:- ۲ روپے ۲۵ پیسے